لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۂ حَسنہ

ہَدیٰ الرّسُول ﷺ

اختصار

زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ﷺ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیم

ترجمہ

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی

قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) لاہور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

اُسوۂ حسنہ

ھدی الرسول ﷺ

اختصار

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ﷺ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ

قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)

50۔لوئر مال نزد M.A.O. کالج لاہور۔

فون : 042 7242265-6
فیکس : 042 7324905

نام کتاب : "اُسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم" زادالمعاد فی ھدی خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف	امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
اختصار	شیخ محمد ابوزید مصری رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ	مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	قرآن آسان تحریک، لاہور
پریس	ہاشمیز پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	حافظ احمد نعیم اسلم
کمپوزنگ	محمد معین
تعداد	5,000
ایڈیشن-3	جون 2006ء
ہدیہ	[illegible] روپے

ھدیۂ تشکّر

قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) کی شوریٰ تہہ دل سے مولوی عبدالحمیدؒ اور ان کے نواسے جاوید اختر لک ولد عطاء اللہ سکنہ کٹھالہ شیخاں کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے ایصال ثواب، رفاہ عامہ اور تبلیغ دین کے جذبہ سے کام لیتے ہوئے مولانا مرحوم کے کتب خانہ سے یہ کتاب ہمیں برائے اشاعت فراہم کی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں مولوی عبدالحمید مرحوم اوران کے ورثاء کو یاد رکھیں۔ مولوی عبدالحمید مرحوم تقریباً 50 سال تک ملک کے مختلف مدارس دینیہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین

اُسوۂ حسنہ کا تعارف

اُسوۂ حسنہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلام مکمل طور پر محمد ﷺ کی عملی زندگی میں ہمیں بڑے واضح انداز میں نظر آجاتا ہے سیرت پر لکھی گئی اس منفرد کتاب کو پڑھنے کے بعد دین نہ صرف سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ کتاب شروع کرنے کے بعد قاری جب تک کتاب ختم نہیں کر لیتا اسے چین نہیں پڑتا اور بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ فقہی موشگافیوں نے دین کو بہت اُلجھا دیا ہے اور ہم دین سمجھنے کے لیے فقہاء کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ان فقہی بحثوں میں ایک عام قاری انتہائی پیچیدگیوں اور بھول بھلیوں میں پڑ کر دین کی سیدھی اور آسان راہ گم کر دیتا ہے لیکن ''اُسوۂ حسنہ ﷺ'' کی خوبی یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی مسئلے میں شریعت کا اصل حکم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو آسان قرار دیا ہے اور اس کو قرآن اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی ہی میں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور یہ روشنی آپ کو ''اُسوۂ حسنہ ﷺ'' کے مطالعہ کے بعد بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے قرآن ہمیں سنت کی پیروی کا حکم دیتا ہے اور اس سنت کی عملی تصویر انتہائی دلچسپ انداز میں آپ کو ''اُسوۂ حسنہ ﷺ'' میں مل جائے گی۔

سیّد محمد عارف

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون		صفحہ
جمعہ		100
عیدین		103
صلوٰۃ کسوف		105
صلوٰۃ استسقاء		106
سفر		106
قرآن کا پڑھنا اور سننا		108
عیادت		109
کفن، دفن، جنازہ		110
زیارت قبور		113
صدقہ و زکوٰۃ		115
صدقہ فطر		117
خیرات		117
روزہ		118
نفلی روزہ		121
اعتکاف		122
حج و عمرہ		122
قربانی و عقیقہ		133
اذان		135
اذان کے دوران میں اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟		135
جہاد	باب 3	136
(غزوات) غزوۂ بدر		140
غزوۂ اُحد		145
غزوۂ المریسیع		152
غزوۂ خندق		154
غزوۂ حدیبیہ		158
غزوۂ خیبر		161
غزوۂ فتح		162
غزوۂ حنین		167
غزوۂ تبوک		170
وفود عرب		175

مضمون		صفحہ

مضمون	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ از مترجم

امام ابن قیمؒ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند ورق نا کافی ہیں البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ابن قیم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید، زندگی بھر کے رفیق، قید خانے کے ساتھی اور استاد کے بعد اُن کے علوم کو نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے بعد ابن قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اس لئے ان کی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" کے نام سے فنِ سیرت میں چھوڑی ہے، یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اب کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ابن قیمؒ سے پہلے اور بعد میں بکثرت سیرت نگار گزرے 'مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا جو اُنہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے' لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمریاں لکھیں' مگر اس طرح کہ گویا کسی سپہ سالار کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپؐ کی حیات طیّبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی' جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات بتائے جاتے۔ اور امّت کے سامنے اسوۂ حسنہ نبوی ﷺ اس طرح کھول کے رکھا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور حالات میں اُس سے شمع ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی ضرورت پوری کی۔ اور زاد المعاد تصنیف کر کے ہمیں اس قابل بنا دیا کہ آیت کریمہ **لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ** کے بموجب آسانی سے عمل کر سکیں۔

لیکن چونکہ زاد المعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں آسانی سے نہ آسکتی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دیئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات ہیں تا کہ براہ راست عوام بھی اس سے فیض یاب ہو سکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال عالم میرے دوست ورفیق درس شیخ محمد ابوزید نے پوری کردی اور اصل کتاب کا اختصار "ہدی الرّسول" کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ اُردو ترجمہ اسی کتاب کا ہے۔ دعا ہے کہ خدا اسکے ذریعہ مسلمانوں کو اتباعِ سنّت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

عبد الرزاق ملیح آبادیؒ

مقدّمہ شیخ محمد ابوزید مصری

حمداً وسلاماً:

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں۔ اور اُس دین متین کی پیروی کریں جو اللہ نے ان کی دُنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسوۂ نبوی ﷺ معلوم کیا جائے اور سنّت عملی پیش نظر ہو کہ جس کے ذریعہ رسول خدا ﷺ نے اس دین حنیف کی توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کہ آغاز وحی سے تکمیل دین تک پورے زمانہ کی حیاتِ نبوی ﷺ سامنے ہو۔ جو ہمیں مشعل راہ کا کام دے سکے۔

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب' امام ابن قیمؒ کی زادالمعاد ہے جس نے اِس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی۔ اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آ سکتی تھی' اس لئے میں نے اسے مختصر کر دیا' تا کہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیض یاب ہو سکے۔

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ:

صدر اوّل میں دین کا علم و تعلّم بالکل آسان تھا۔ علما سنت نبوی کا علم حاصل کرتے' پہلے خود عمل کرتے' پھر اپنا عملی نمونہ امّت کے سامنے پیش کرتے' اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امّت کے افراد ان کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتے اور خود بھی عمل کرنے لگتے' درمیان میں کوئی چیز سدِّ راہ نہ ہوتی۔ اُس وقت امّت کے لئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا' کیونکہ اوّل تو خود یہ دین ہی بہت آسان' صاف' مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گنجلک سے دور ہے' پھر اُس زمانہ کے علما کا عملی نمونہ خاص طور پر مؤثر تھا۔ لوگ علما کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور ان کی اتباع و پیروی پر لگ جاتے۔ اُس وقت کے علما رسولؐ کے واقعی جانشین اور

امّت کے لئے قدوہ ونمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اُس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا۔ جب سے علما نے طریقہ نبوی ﷺ یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل وقال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتھے اور فرقے قائم ہو گئے' ہر فریق نے اپنے طریقے کی حمایت میں بکثرت کتابیں لکھیں' یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کی شرحیں تیار کیں' پھر شرحوں پر حاشیے چڑھائے' پھر حاشیوں پر بھی حاشیے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کر دی' اور مختلف مدارج و مراتب قائم کر دیے مجتہد مطلق 'مجتہد مذہب' مفتی مذہب ' مرجحِ مذہب ' مقلد مذہب ۔ پھر ستم یہ کیا کہ مخلوقِ خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف ان کی کتابوں سے حاصل کریں اور اُن قیود وشروط ورموز پر کاربند ہوں جو اُنہوں نے اپنی عقل و رائے سے قرار دے رکھے ہیں' بے شمار قیدیں اور شرطیں ہیں' انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا۔

اِس کتاب اور کُتبِ فقہ میں فرق:

اگر آپ اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کریں گے۔ تو صاف طور پر نمایاں فرق پائیں گے' کوئی باب لے لیں' مثلاً بابِ وضو' غسل' تیمّم' ۔ اِس کتاب میں دیکھتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے' حالانکہ ''جامعة الازهر'' میں ہم نے باب وضو تین مہینے میں پڑھا۔ مگر وضو کی حقیقت و سہولت سمجھ میں نہ آئی' یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹایا۔ ہم میں بہت سے ''جامعة الازهر'' میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں' یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی

ہے لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رَٹ جانے کے خود اُس مذہب کی بھی تحقیق حاصل نہیں ہوئی' دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر وحدیث کا علم تو بہت دُور رہا۔ چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت واضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے [1]۔ جب علما کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں پر چلیں؟ حالانکہ وہ اپنے علما کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔ دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ اس کا حاصل کرنا اُن بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت ہیں متعارض اقوال' پیچیدہ مسائل اور گوناگوں قیود وشروط سے۔ چنانچہ اُن کے اندر فرائض ہیں' واجبات ہیں' **مستحبّات** ہیں' **مبطلات** ہیں' پھر مکروہات کا سلسلہ ہے۔ **کراهیت تحریمی** ہے، **کراهت تنزیهی** ہے' غرضیکہ کتبِ فقہ کا ہر باب اس طرح کی بے شمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے' بابِ وضو ہو یا باب صلوٰۃ' نکاح ہو یا طلاق ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں' جن سے بجز تشویش ذہن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے' وہ محض فرض وتخمین کی پیداوار اور ذہن ودماغ کی اختراع ہیں' ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا البتہ دماغ پریشان اور فکر پراگندہ ہوتی ہے' ظاہر ہے' عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ اُن پر عمل ہی کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو خدا کے احکام ہیں اور نہ اُن پر کاربند ہونے کا اُس نے حکم دیا ہے۔

---

[1] جب علما مصر کی یہ حالت ہے جو اس وقت دنیائے اسلام میں خاص علمی وجاہت رکھتے ہیں اور جن کی "**جامعه ازهر**" دنیا بھر میں مشہور ہے، تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ (مترجم)

شریعت قرآن کے اندر ہے:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الاعراف:3)

"لوگو جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو" اور فرمایا:

وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○

(الزمر:55-59)

"اور پیروی اختیار کرلو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے "افسوس میری اُس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا بلکہ میں تو الٹا مذاق اُڑانے والوں میں شامل تھا"۔ یا کہے "کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا"۔ یا عذاب دیکھ کر کہے "کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔" (اور اُس وقت اسے یہ جواب ملے کہ) "کیوں نہیں تیرے پاس میری آیات آچکی تھیں، پھر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا"۔

اور فرمایا:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (الزمر:17-18)

''پس (اے نبی ﷺ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں'' اور فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ق تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ o (الزمر:23)

''اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے' ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔ اُسے سُن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے''

اور فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ o (القمر : 17)

''ہم نے اِس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے' پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

اور فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ o (الدخان۔59)

''اے نبی ﷺ ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں سہل بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔'' اور فرمایا:۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ o (الزمر:28)

''ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے' جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے' تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں''

سنت نبوی ﷺ:

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنّت سے ہدایت حاصل کریں کیونکہ وہ کلام الٰہی کی شارح اور مفسر ہے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ o (النحل: 44)

''اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اُتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں'' اور فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o (النحل:64)

''ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت اِن پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اُتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اسے مان لیں'' اور فرمایا:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ o (النحل:89)

''(اے نبی ﷺ انہیں اُس دن سے خبردار کر دو) جب کہ ہم ہر اُمّت میں خود اُسی کے اندر

سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اُس کے مقابلہ میں شہادت دے گا اور اِن لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمہیں لائیں گے۔ اور (یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت ورحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے''

اور فرمایا:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ (یوسف:111)

''یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اِس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت'' اور فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ٥ (ابراھیم:1)

''یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اُن کے رب کی توفیق سے اُس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے'' اور فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥

(الحدید:9)

''وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے' اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے''

اور فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰكَ اللّٰهُ ط (النسآء:105)

"اے نبی ﷺ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو" اور فرمایا:

قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ج هٰذَا بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ o (الاعراف:203)

"ان سے کہو" میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اسے قبول کریں" اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

"درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا" اور فرمایا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُولُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا o يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا o وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا o

(الفرقان:27-28-30)

"جس دن ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا" کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی، کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا اور رسول کہے گا کہ "اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنالیا تھا" اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ o (النور:63)

''مسلمانو، اپنے درمیان رسول کے بُلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بُلانا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے''

اور فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ (النسآء:41-42)

''پھر سوچو کہ اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اِن لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد ﷺ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے اُس وقت وہ سب لوگ جنھوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے'' اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الحشر:7)

''اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے'' اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف:158)

''اور پیروی اختیار کرو اس کی، اُمید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے'' اور فرمایا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (الانعام:153)

''نیز اُس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اِسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کردیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمھیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو''

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنّت نبوی ﷺ کی دعوت دیتی ہیں' اور کُھلے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خدا کے پیامبر اوراحکام ربّانی کے شارح تھے آپؐ ہی شریعت کے حامل' آپؐ ہی شریعت کے محرم راز اور آپؐ ہی اس کے مفسّر تھے' آپؐ کی اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے' تاریکی دُور ہوجاتی ہے' نور ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (یوسف :108)

''تم اِن سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بُلاتا ہوں' میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراطِ مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کو اختیار کرنے سے منع کردیا کہ جن پر چلنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے' اور ہدایت گم ہوجاتی ہے' اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا صراطِ مستقیم کیا ہے؟ یہی سنّتِ نبوی ﷺ اور اسوۂ حسنۂ نبوّت کہ جس کے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہوسکتی۔ یہ راستہ بالکل صاف وسہل ہے' سیدھا ہے' پیچ وخم نام کو نہیں' اُس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں' متفق رہتے ہیں کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ○ (الانعام159)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں' ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے' وہی اُن کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے''

علما کا اعراض:

لیکن بایں ہمہ جب ہم علما کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ' لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو' اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دو' تا کہ سب ایک پیشوا کے زیر علم آ جائیں جو اُن میں اتفاق اور یگانگت پیدا کر کے اختلاف وافتراق کو دُور کر دے' اور دین اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مغرب و مشرق اور شمال و جنوب' میں سیلِ رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو اُدھر سے جواب ملتا ہے'' تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو' مذاہبِ اربعہ کے خلاف عَـلَـم بغاوت بلند کرتے ہو' ائمہ اربعہ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو' یہ کرتے ہو' وہ کرتے ہو۔۔۔!'' حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے' صرف وہی کہتے ہیں جس کا بار بار خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' یعنی سُنّتِ نبوی ﷺ کی پیروی۔

ائمہؒ اربعہ:

ائمہ اربعہ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا سر تاج! ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہ اور اُن کے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے' انہوں نے دین کی حفاظت کی اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا' لہٰذا ہم ان کی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے احسانات کے شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اُن کی آراء و اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے' اور حکم دیا ہے کہ رسول ﷺ کا قول سامنے آ جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں' یہ

لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہؒ کی کتابیں:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہ نے محض اپنی آراء واقوال کیلئے مذہبی کتابیں تصنیف کیں' اور مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ہدایت کی' بلا شبہ ہر ایک نے اُن احادیث کی ایک ایک مسند[1] چھوڑی ہے جو اُن تک پہنچی تھیں' اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے' باقی اور جس قدر کتابیں اُن کی طرف منسوب ہیں' اُن کی نہیں ہیں' بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں' تاکہ ان کے اجتہادات مدوّن کریں اور ان کے فتاوٰے پھیلائیں پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا 'ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی' لوگوں نے نئے مسائل اور نئے نئے احکام کا اختراع شروع کردیا' یہاں تک کہ ہزارہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہوگیا کہ جن کے مؤلفین' شارحین اور حاشیہ لکھنے والوں کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علما ان سے ورزش ذہن اور توسیع فکر کا فائدہ اُٹھائیں' اور اختلاف حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں ان کے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

علما کے فرائض:

ہر زمانہ میں علما کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی' اقتصادی' معاشرتی' اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں' وسائل ترقی معلوم کریں اور امت کیلئے ایسے اصول وقواعد وضع کریں جو اصول دین کے مطابق ہوں۔

---

[1] لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نام سے جو مسند مشہور ہے وہ ان کی نہیں' امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ (مترجم)

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے:

ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیرّ و تبدّل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جن کی ایک خاص شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے جس میں کسی تبدّل کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت و احکام کے ساتھ ہی مفید ہیں، یہ ہمیں یک جہتی کی طرف لے جاتی ہیں ہمارے اندر نظام اور ڈسپلن (DISCIPLINE) پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کے لئے تیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کے لئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اوّل دن سے دے دیئے ہیں، وہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم اُن احکام و مسائل کی ہے جو امّت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت، صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے، ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں، چنانچہ شریعت نے یہی کیا ہے، اس نے ان کے لئے عام اصول و قواعد تو وضع کر دیئے ہیں لیکن جزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امّت کے لئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح کھلا رہے۔

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علما اور محققین اور دانشوروں پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم و اجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ میں سے اہل شوریٰ اپنے زمانہ کے حالات کے لئے قوانین وضع کرتے تھے جن میں اُن کلی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو اللہ کی شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ اصول اپنے معانی و مفہوم میں اتنے وسیع و ہمہ گیر ہیں کہ اُن تمام گونا گوں حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو زمانہ

گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

پس ہمارے زمانہ کے علما کا بھی فرض ہے کہ امّت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں‘ شریعت کے کلی اصول کے ماتحت حسب ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں‘ یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں‘ ۔اور قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں‘ کافر و فاسق ہونے کے فتوے جیبوں میں لئے پھریں‘ اور ہر مخالف کو ملحد و زندیق کے نام سے پکارنے لگیں‘ نیز ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں‘ اور تقلیدِ یورپ میں شریعت اور خصوصیات امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ اُن کا راستہ درمیانی اور معتدل راستہ ہو‘ نہ افراط ہو نہ تفریط‘ ایک طرف امّت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں‘ دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی رہنمائی وقیادت کریں۔

اس صورت میں کتبِ فقہ علما کے لئے مفید ہو سکتی ہیں‘ وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علما نے کس طرح قانون بنائے‘ نئے حالات میں کیا حکم دیئے‘ اگر اُن کے قوانین وفتاویٰ میں اس زمانہ کے علما کو کوئی چیز پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی امّت کیلئے مفید ہوگی‘ فوراً لے لیں‘ یا کچھ قطع و برید کر کے مناسب حال بنالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مان کر ان کی عبادت شروع کر دیں‘ ان کی سطر سطر کو وحی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو نا قابل معافی گناہ سمجھیں لیکن افسوس ہمارے زمانہ کے علما نے امّت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈال دیا ہے‘ اپنے اوپر عجز و نااہلی کی مہر لگالی ہے‘ تقلید کو شیوہ بنالیا ہے‘ تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں‘ اسی لئے محنت کرنے کی بجائے ان کتابوں ہی کو قبلۂ حاجات قرار دے دیا ہے اور ان کی غلامی و اسیری کچھ اس طرح بھا گئی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے علما خود پست ہو گئے ہیں‘ امّت کی پستی کا باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگدلی و تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں! پھر ستم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور ان کے مصنفین

کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں، اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ وسنت رسول کفایت کرتی ہے تو اس پر زندیق ہونے اور ملّت سے خارج ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ کرام نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہؒ کا مسلک:

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اُس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے اس کے لئے دلیل نہ پالو، انہی میں سے ایک جلیل القدر امامؒ کا قول ہے [1]۔

"اِذَاوَجَدْ تُّمْ قَوْلِیْ بِخَلَافِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاضْرِبُوْابِقَوْلِیْ عَرْضَ الْحَائِطِ."

(اگر میرے کسی قول کو قول رسول ﷺ کے خلاف پاؤ، تو میرے قول کو پھینک دو)

"کُلُّ کَلَامٍ یُؤْخَذُمِنْہُ وَیُرَدُّ عَلَیْہِ اِلَّا کَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ"

(ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جا سکتا ہے بجز قول رسول ﷺ کے) کیونکہ رسول ﷺ اگر کہتے ہیں تو وحی پا کر کہتے ہیں جو غلطی سے مبرّا ہے۔ ایک امامؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کی گفتگو لکھ رہا ہے، تو منع کیا اور کہا:

"اَتَکْتُبُ عَنِّیْ رَاْیاً فَتَجْعَلُہُ دِیْناً لِّلنَّاسِ وَرُبَمَا اَرْجِعُ عَنْہُ غَدًا"

(میرے خیالات لکھ رہے ہو تا کہ لوگوں کے لئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں) یہ ہیں ائمہؒ کے اقوال!

---

[1] حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے (مترجم)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط

شریعت کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول ﷺ کو بھیجا، پس رسول ﷺ زمین پر اُس کے نائب ہیں۔ اور رسول ﷺ امام اعظم ہیں، کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جب تک دین کا معاملہ خود رسول ﷺ کے ساتھ نہ کرے اختلافات میں اسی طرف رجوع نہ کرے اور اس کے فیصلہ پر بے چون و چراں سر تسلیم خم نہ کردے۔ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النسآء:65)

”نہیں، اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں“ اور فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط (یوسف :40)

”فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے“ اور فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط (الشوریٰ:10)

”تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے“ اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط (الفتح :10)

”اے نبی ﷺ جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے“

اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (النسآء:80)

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی“

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا o ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا o

(النسآء:69-70)

"جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے" اور فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص (اٰل عمرٰن:103)

"سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" اور فرمایا:

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o

(اٰل عمرٰن:101)

"جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا" اور فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا o

(النسآء:59)

"پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے" اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o (الحجرٰت:1)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ اور اُس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے

ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے'' اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ اِذَاقَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِ هِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۝ (الاَحزاب:36)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا'' اور فرمایا:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْاسَمِعْنَا وَاَطَعْنَاۭ وَاُولٰۗئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝(النور:51)

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بُلائے جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

اور فرمایا:

قُلْ اَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَاعَلَيْهِ مَاحُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝ (النور:54)

''کہو اللہ کے مطیع بنو اور رسولؐ کے تابع فرمان بن کر رہو۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول ﷺ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اُس کا ذمّہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اُس کے ذمّہ دار تم۔ اُس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ ورنہ رسول ﷺ کی ذمّہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے'' اور فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران:31-32)

''اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو''۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں' تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے۔

جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں'' کہا جائے گا۔ کہ دین کا قرآن وسنّت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے' یہ سچ ہے۔ لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن وحدیث سے احکام اخذ کرنے بیٹھیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے' ہم تو صرف علما سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے لے کر عوام کو بتائیں۔ یہاں اجتہاد واستنباط کا سوال ہی نہیں۔ سنّت نبوی ﷺ بالکل صاف ہے' اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں' ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علما پہلے اس کی خود پیروی کرنے والے بنیں پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے' فلاں بات نبی ﷺ نے یوں کی اور فلاں یوں' نبیؐ نے نماز اس طرح پڑھی پھر خود نماز پڑھ کر دکھائیں نبی ﷺ نے وضو یوں کیا اور خود وضو کر کے دکھائیں نبی ﷺ نے جو باتیں عمر بھر کیں خود بھی ہمیشہ کریں اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کر دیں خود بھی اسی طرح کریں ظاہر ہے نبی ﷺ نے یہ سب ہماری ہدایت کے لئے کیا تھا ہم بھی ویسا ہی کریں اور ویسا ہی عوام کو بتائیں تاکہ امت واقعی طور پر ہدایت یاب ہو عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرے علم وبصیرت کے ساتھ کرے۔ فرمایا:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○ (بنیٓ اسرآء یل: 36)

''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ' کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے''

آخر میں اِس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں' جس میں اسوۂ حسنہ نبوی ﷺ بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔ میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں' واعظوں کو ہے کہ اس سے وعظ وارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ خود اسے پڑھیں' اور جہاں تک ممکن ہو اس کی اشاعت کریں' تاکہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے' مشکلات راہ سے ہٹ جائیں' اور عام مسلمانوں کو کتب فقہ اور اُن کے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○"

عبدالرزاق ملیح آبادیؒ

مقدمہ امام ابن قیمؒ

رَبِّ یَسِّرْ وَاَعِنْ یَا کَرِیْمُ ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْاَمِیْنِ ۔ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَکْرَمِیْنَ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظَّالِمِیْنَ : ۔

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہوں گے: کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب '' لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ '' ہوگا' بشرطیکہ اس کی معرفت ہو' اس پر ایمان ہو' اور اس کے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب ——— '' اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ '' ہوگا' بشرطیکہ معرفت ایمان' اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد ابن عبداللہ ﷺ خدا کے بندے' رسول' وحی کے حامل' مخلوقات میں بزرگ ترین' اللہ اور بندے کے مابین سفیر ہیں' آپ دین قویم' صراطِ مستقیم کے ساتھ مبعوث کیے گئے' عالمین کے لئے رحمت' متقین کے لئے امام اور تمام مخلوق پر حجت بنائے گئے۔ رسولوں کے آخر میں تشریف لائے سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت ہاتھ میں لائے اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپؐ کی اطاعت' توقیر' تعظیم اور محبت واجب کر دی' جنت کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے رسول ﷺ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جس پر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے' پھر آپؐ کا شرح صدر کیا' تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے اور ذلت وخواری کی مہر اُن پر لگا دی جو آپؐ کی مخالفت کریں چنانچہ مسند امام احمدؒ کی حدیث ہے۔

'' عَنْ اَبِیْ مُنِیْبِ نِ الْجُرَشِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بُعِثْتُ بِالسَّیْفِ بَیْنَ یَدَیِ

السَّاعَةِ حَتّٰی یُعْبَدُ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَجُعِلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ''

''قیامت کے روبرو مجھے بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی پرستش کی جائے' میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا' ذلّت وخواری اُن پر نازل کردی گی جو میری مخالفت کریں' جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے گویا اُسی میں سے ہے''

جس طرح ذلت مخالفوں کے حصّہ میں آئی' اُسی طرح عظمت و برتری مومنین کے حصّہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(آل عمران :139)

دل شکستہ نہ ہو' غم نہ کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو' اور فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:8)

''اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے'' اور فرمایا:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ۔

(محمد: 35)

''پس تم کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے'' اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الانفال:64)

''اے نبی ﷺ تمہارے لیے اور تمہاری اتباع کرنے والے مومنین کے لیے تو اللہ کافی ہے''

رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ مجھے اپنی

ذات، اپنی اولاد اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنا لے۔ نیز خداوند عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول ﷺ کو اپنے تمام اختلافات میں حَکَم نہ قرار دے، پھر اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی نہ ہو اور اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط (الاحزاب: 36)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے''

پس مومن کو حکم نبوی ﷺ کے بعد اختیار نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے، کیونکہ حکم نبوی ﷺ اٹل ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کے حکم کی پیروی کرے۔

الّا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی ﷺ نے دیا ہے، اس صورت میں اس کی حیثیت گویا ایک مبلّغ و مخبر کی ہو گی حاکم کی نہ ہو گی۔ لیکن جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے، امت پر اس کی اتباع واجب نہیں یہاں تک کہ اس کے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت نہ ہو جائیں، اگر مطابق ہوں، قبول کر لئے جائیں مخالف ہوں، ردّ کر دیئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلّق چھوڑ دیئے جائیں۔

فصل:

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، فرمایا:

"**وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ** ط" (القصص:68)

اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے''

مخلوق دو قسم کی ہے۔ طیّب اور خبیث اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب ہمیشہ طیّب ہی پر پڑتی ہے' اور یہیں سے' انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے' جو خدا کے ہاں سعید اور اس کی نظر میں طیّب ہے دنیا میں اُس کا میلان طبع ہمیشہ طیّبات ہی کی طرف ہوگا' اعمال دیکھو گے تو نظر آئے گا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے' کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا' اس کی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے' سب کے ساتھ اس کا برتاؤ وہی ہے جو وہ اُن سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا' اعلیٰ ترین اخلاق سے اُس کا نفس آراستہ ہوگا' حلم' رحم' صدق' محبت' شجاعت' عفّت' سخاوت' انسانیّت' وقار' رواداری' قلب کی سلامتی' مومنین کے ساتھ فروتنی' دشمنانِ الٰہی پر نخوت و سختی غرضیکہ تمام محاسنِ اخلاق سے متصف ہوگا کہ جن کی تحسین پر تمام شرائع ربانی' فطرت اور عقولِ انسانی متفق ہیں۔ اسی طرح اکل و شرب میں اس کی رغبت طیّب و حلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم و روح دونوں کے لئے مفید اور غذا مہیا کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے احباب و ہم نشین بھی اچھے ہی لوگ ہوں گے' شریروں کی صحبت اُسے پسند نہ آئے گی' غرضیکہ اس کا وجود ہی اس کے طیّب و طاہر ہونے کی خبر دے گا' خبث و کثافت کا ایک شمہ بھی اس میں نہ پایا جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں آیا ہے:

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:32)

''اُن متقیوں کو جن کی رُوحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''سلام ہو تم پر' جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے''۔

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۝ (الزمر:73)

"سلام ہو تم پر' بہت اچھے رہے' داخل ہو جاؤ اِس (جنت) میں ہمیشہ کے لیے"

اور اسی **طیّب وخبیث** کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج (النور:26)

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے"

پس طیّب الفاظ' اعمال اور عورتیں اپنے مناسب حال طیّبین کے لئے ہیں' اور خبیث الفاظ' اعمال اور عورتیں خبیثوں کے لیے ہیں' طیّبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے **طیّب وطیّبات** کے لئے جنت مخصوص کی ہے' اور خبیث و خبیثات کا ٹھکانا جہنم کو قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح اُن کے ٹھکانے بھی دو ہیں' ایک جنت جس میں طیّب ہی طیّب ہوگا' خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ' جو صرف خبیث کا مقام ہے طیّب کا داخلہ اس میں محال ہے۔ لیکن ان دونوں مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے جس میں خبیث وطیّب دونوں ہی رہتے ہیں۔ اور وہ مقام یہی دارِ دنیا ہے جس میں نہ طیّبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی' دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں چونکہ دنیا کی کیفیّت یہی ہے اسی لئے حکمت الٰہی نے اُسے ابتلاؤ امتحان کا مقام بنا دیا ہے' یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں' اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں' یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لے کر ربّ العزّت کے حضور میں پہنچیں' اس وقت پروردگارِ عالم طیّب کو خبیث سے جدا کر دے گا' طیّبین اپنے مقام جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے جہاں اُن کے سوا اور کوئی نہ ہوگا خبیثین اپنی تمام نجاستوں و کثافتوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں اپنے علاوہ کسی کو نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی جزاوسزا خود اُنہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے طیّبین کے اقوال واعمال واخلاق بعینہٖ اُن کے لئے جنت کی لذتیں اور نعمتیں بن جائیں گی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسباب راحت وسرور مہیا کر دے گا اسی طرح خبیثین کے اقوال واعمال واخلاق اُن کے حق میں کانٹے ہوں گے اور انہیں سے انواع واقسام کے آلام ومصائب پیدا ہو جائیں گے۔ اُس آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے! اس طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیّت ، کمالِ حکمت، علم، عدل اور مظاہر رحمت دکھاتا ہے، تا کہ اُس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری و کذّاب تھے نہ کہ اس کے پاک اور سچے رسول ﷺ! فرمایا!

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَا نِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّا سِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِ يْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَا نُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ (النحل:38-39)

''یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ''اللہ کسی مَرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا''...... اٹھائے گا کیوں نہیں، یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ اِن کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اور منکرینِ حق کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے''

غرض یہ کہ مخلوق میں کچھ طیّبین ہیں کچھ خبیثین ، کچھ سعید ہیں کچھ شقی، دونوں کے لئے علامتیں اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضا و جوارح سے خبث ونجاست پڑی بہتی ہے، طیّب وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سے طہارت کا فوارہ پھوٹا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا

ہے کہ ایک ہی شخص میں طیّب وخبیث دونوں مادے پائے جاتے ہیں' ایسی حالت میں انسان اُس فریق میں ہو جاتا ہے جس کا مادہ بعد کشمکش کے بالآخر دوسرے مادہ پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے' موت سے پہلے اُسے خبیث مادہ سے پاک کر دیتا ہے' چنانچہ بروز قیامت وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے' کیونکہ اس میں کوئی میل تو رہتی ہی نہیں جس کی تطہیر کے لئے اُسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اُس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اس کی جناب سے نیکی' اطاعت، توبۃً نَّصُوْحًا اور کفارہ کرنے والی حسنات کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس بدنصیب کے شامل حال فضل الٰہی نہیں ہوتا' خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے' یہاں تک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہ خداوندی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے' کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا' اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جونہی تنقیہ وتصفیّہ ہو جاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہل جنت کی صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کے لئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کر لیں' ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہوتے ہیں جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پُرمحن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے۔

"جَزَآءً وِّفَاقاً" "وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ"۔

رہا مشرک! تو چونکہ اس کی جبلّت خبیث اور اس کی ذات خبیث ہوتی ہے اس لئے جہنم بھی اس کی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی وہ کتنی ہی مدت رہے خبیث ہی رہے گا' اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو جب بھی خبیث رہے گا' اس کی مثال کتے کی مانند ہے جسے لاکھ غسل دو' ناپاک ہی رہے گا' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے۔

برخلاف اس کے مومن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے' کیونکہ وہ تو سراسر طہارت ہی ہے' اُس میں خبث کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ جس کے ازالہ کے لئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔

" فَسُبْحَانَ مَنْ بَهَرَتْ حِكْمَتُهُ الْعُقُولَ وَالْاَلْبَابَ!"

فصل:

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے' کیونکہ طیّب وخبیث کی پُوری پُوری شناخت کا ذریعہ بجز آپؐ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپؐ ایک میزان حق ہیں۔' آپ ﷺ ہی کے اقوال واعمال واخلاق پر تمام اقوال واعمال واخلاق تولے جاتے ہیں۔ انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کی حیاتِ طیّبہ سے بخوبی واقف ہو' تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر سعادت دنیوی واُخروی سے شاد کام ہو۔ والسلام۔

باب 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نسب نامہ:

آپ ﷺ کا حسب نسب اعلیٰ واشرف، آپ ﷺ کی قوم اشرف، آپ ﷺ کا قبیلہ اشرف، اور آپ ﷺ کا خاندان اشرف، آپ محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد منا ف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لو ی بن غالب بن فھر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدر کہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ یہاں تک سلسلہ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے، اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ وتابعین اور علماءِ امت کا اتفاق ہے۔

ولادت باسعادت:

ولادت عامِ فیل [1] میں ہوئی، واقعہ فیل درحقیقت اُس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ کی وادئ غیر ذی زرع میں جلوہ گر ہونے والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور اُن کا مذہب مکّہ کے بُت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بُت پرستوں کو اہلِ کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اس واقعہ کے ذریعہ خانہ کعبہ، قریش اور مکہ کی بزرگی مسلّم ہو جائے جس میں عنقریب اُس کے نبی ﷺ کا ظہور ہونے والا تھا۔

---

[1] یعنی 571ء عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے، واقعہ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے حبشی سردار "ابرھہ ابن الاشرم" کی سرکردگی میں خانہ کعبہ کے ڈھانے کے لئے مکہ پر فوج کشی کی، مگر کامیاب نہ ہوئے، عذاب الٰہی میں پڑ کر برباد ہو گئے سورۂ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے یہ تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گراتی تھی، جس پر کنکری گرتی تھی، چیچک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیچک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔

بچپن اور شباب:

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا' ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی ماممتا سے بھی محروم ہو گئے' والدہ (آمنہ) کی وفات مکہ و مدینہ کے مابین مقام "ابواء" [2] میں ہوئی جبکہ وہ مدینہ میں آپؐ کے ماموں کے گھر سے واپس آ رہی تھیں۔

دادا عبدالمطلب نے گود میں اُٹھا لیا' لیکن ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ آخر ابو طالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے' اسی سفر میں بحیرا راہب کی دُور بین نظریں پڑیں اور اُس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے' چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کارواں لیکر شام کا پھر سفر کیا' شہر بصریٰ تک گئے' واپسی میں حضرت خدیجہؓ بنت خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جنہیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا' اور امہات المومنین میں سب سے پہلے اپنے خدا سے جا ملیں۔ جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہ کی' اُن کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبریل کے واسطے سے انہیں سلام بھیجا!

خلوت پسندی:

سال پر سال گزرتے چلے گئے' یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپؐ تنہائی پسند ہو گئے' حرا کا سنسان غار مونس و ہمدم ہو گیا جس میں کئی کئی رات اور دن مسلسل تدبّر و تفکّر و عبادتِ

---

[2] لیکن جہلا نے مکہ کے قبرستان "معلّی" میں ایک قبر بنا رکھی ہے جسے "قبر سیدتنا آمنہ" کہتے ہیں' ہر پنجشنبہ کو جوق در جوق زیارت کو جاتے ہیں' حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب لوٹا جاتا ہے۔ (مترجم)

باری تعالیٰ میں منہمک رہنے لگے۔ بتوں سے نفرت تھی' آبائی دین سے عداوت' کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے۔

نبوّت:

جب چالیسواں سال ختم ہوا' غار حرا میں آفتاب نبوت طلوع ہوا' تاج رسالت پیشانی مبارک پر رکھا گیا اور تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے۔ سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی' مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے' مگر رجحان اسی جانب ہے کہ 8۔ ربیع الاول 41 عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے۔ بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں۔ اور شَهْرُ رَمَضَا نَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا) سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسام وحی:

وحی الٰہی کئی صورتوں سے آتی تھی: (۱) رویائے صادقہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز اسی سے ہوا' خواب دکھائی دیتے۔ اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔ (۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القاء کرتا۔ جیسا کہ خود فرمایا۔ **اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْٓ اِنَّهٗ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا فَا تَّقُوا اللّٰهَ وَاجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَآءُ الرِّزْقِ عَلٰٓی اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعْصِیَةِ اللّٰهِ فَاِنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ لَا یَنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔"**
(روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جب تک اپنی روزی پوری پوری نہ پالے' پس اللہ سے ڈرو' طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو' رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستہ سے اُسے حاصل کرو' کیونکہ اللہ کے پاس جو ہے صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے)۔ (۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار

ہوتا اور وحی پہنچاتا' اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔ (۴) گھنٹی کی سی آواز آتی۔ یہ وحی آپؐ پر بہت سخت ہوتی' حتیٰ کہ کڑاکے کی سردی میں بھی پیشانی عرق عرق ہو جاتی' اگر اونٹ پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتا' ایک مرتبہ زید بن ثابتؓ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے تھے کہ اسی قسم کی وحی آ گئی' زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھ پر اسقدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ (۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور خدا کا پیغام پہنچاتا۔ عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے۔ (٦) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔ (۷) وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہءِ فرشتہ براہ راست کیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کے لئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے حدیث معراج سے۔ بعضوں نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے' یعنی بلا حجاب کے اللہ تعالیٰ کا رُو در رُو کلام کرنا۔ لیکن یہ مذہب اُن لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ سلف وخلف دونوں میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہؓ بلکہ تمام کے تمام حضرت عائشہؓ [۱] کے مسلک سے متفق ہیں چنانچہ **عثمان بن سعیدؒ دارمی** نے اس پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔

---

[۱] بخاری ومسلم وترمذی ونسائی نے مسروقؒ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا "اے ام المومنین! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ وہ بولیں۔ "سبحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے! تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے اُن کا ذکر کرے' جھوٹا ہے: جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) "**لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ**o (الانعام) (نگاہیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں' وہ سب کو دیکھتا ہے' وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے)" **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ**o (الشوریٰ) (کسی انسان کو شایاں نہیں کہ اللہ اُس سے باتیں کرے' مگر ہاں اس طرح کہ وحی ہو یا حجاب کے اندر سے ہو' یا فرشتے

(حاشیہ جاری ہے)

مختون ومسرور:

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں۔ (۱) آپؐ پیدائشی مختون ومسرُور (ناف کٹی ہوئی) تھے' لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے وہ بھی غیر صحیح ہے' ابن جوزیؒ نے موضوعات میں شمار کی ہے' باقی اور جتنی حدیثیں ہیں اُن کی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص فضیلت بھی نہیں' بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہؓ دائی کے ہاں ملائکہ نے شق صدر کیا۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ختنہ کیا' اس تقریب پر دعوت بھی کی' اور نام ''محمد ﷺ'' رکھا۔ ابن عبد البّر نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کی گئی ہے' اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا' اوّل الذّکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر گئے کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے' مگر آخر الذکر نے تردید کر دی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا' چونکہ یہ رواج عام تھا اس لئے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں' مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیئے۔

فرشتہ بھیجے جو اس کے حکم وحی کرے' اللہ بہت بڑا اور حکمت والا ہے) اور جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ کل (غیب) کی بات جانتے تھے' جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) ''**وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ o**'' (لقمان) (کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا کل اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کس سر زمین میں مرے گا بے شک اللہ ہے ہر بات جاننے والا اور پوری طرح باخبر) اور جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی جھوٹا ہے (پھر آیت پڑی) **يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ o** (المآئدہ) (اے رسول! جو کچھ تمہارے رب نے تم پر نازل کیا ہے' پہنچا دو' اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اس کا پیغام ہی نہیں پہنچایا اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا)۔ (ابو زید)

رضاعی مائیں:

آپ ﷺ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:۔ ثویبہ کنیز ابولہب نے چند دن دودھ پلایا' اس دودھ میں آپؐ کے شریک عبد اللہ بن عبدالاشد المخزومی' مسروح بن ثویبہ اورآپؐ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ پھر حلیمہؓ سعدیہ نے دودھ پلایا جس میں آپ کے شریک عبداللہ بن حلیمہؓ آپؐ کے چچیرے بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب تھے جو آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے' یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ نیز حضرت حمزہؓ کی انا نے بھی آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ جو قبیلہ سعد بن بکر سے تھیں' یہ اُس وقت آپ ﷺ جب حلیمہؓ سعدیہ کے ہاں تھے' اس طرح حضرت حمزہؓ آپ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے۔ حلیمہ اور اُن کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کس کس کی آغوش میں آپ ﷺ رہے:

آپؐ کی خادمائیں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زھرۃ کلاب. پھر ثویبہ' حلیمہ' شیما آپ ﷺ کی رضاعی بہن جو وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر اُن کے لئے بچھا دی' فاضلۃ الجلیلہ اُم ایمن برکتہ الحبشیہ جو آپ ﷺ کو والد سے ورثہ میں ملی تھیں' ان کی شادی آپؐ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کر دی تھی' انہی کے بطن سے اسامہؓ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی ﷺ کا وصال ہوا تو ابو بکرؓ و عمرؓ اُم ایمنؓ کے گھر گئے' وہ بیٹھی رو رہی تھیں' تسکین دینے لگے' کہ اے اُم ایمنؓ! جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ رسول ﷺ کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے' کہنے لگیں" میں بھی جانتی ہوں" میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے خبریں آنا بند ہو گئیں۔" یہ سن کر دونوں صحابیوںؓ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

اوّلین وحی:

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی اس کے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے' غارِ حرا میں گوشہء نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ** ٥ (علق: 1) حضرت عائشہؓ و جمہور صحابہؓ کا یہی قول ہے اور صحیح ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی **یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ** الخ تھی [1]

ترتیبِ دعوت:

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی' آغاز گھر سے کیا' سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی' پھر قوم کو' پھر عربوں کو جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا' پھر قیامت تک اُن تمام قومو ں کے لئے اُسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے' جب آیت **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ** ٥ (پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو) نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے' نتیجہ یہ ہوا کہ کفّار کی عداوت بڑھی اور آپ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہوگئی' یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دی گئی۔

---

[1] لیکن بعضوں کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی' ہم ان تمام اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ اولیت' اضافی قرار دیں' اس صورت میں سورہ فاتحہ اولین وحی ہوگی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپؐ وحی سے مانوس اور اس کے سننے کے لئے تیار ہوں' اس کی تائید آپؐ کے اُس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا کہ ''کہ میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں۔'' اقرأ سے اصل وحی کا آغاز ہوا جبکہ جبریلؑ نے سینہ سے لگایا کہ تحمل وحی کے لئے استعداد مکمل ہو جائے۔ یاایھا المدثر اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی' یا یہ کہ تبلیغ کے لئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید)

دو ہجرتیں:

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو اُنہوں نے تکلیف پہنچانا اور اہل اللہ کو ابتلاؤ امتحان میں ڈالنا شروع کیا۔ جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: ''وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا'' چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں رقیہ بنت رسول ﷺ اور اُن کے شوہر عثمانؓ بن عفان بھی تھے۔ یہ لوگ حبشہ میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہوگئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا' یہ سُن کر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا' قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس پر بعض لوگ پھر حبشہ واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے جہاں قریش نے انہیں بُری طرح ستایا' ان میں ایک عبد اللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا آخر آنحضرتؐ نے پھر ہجرت کا حکم دیا' اس مرتبہ ۸۳ مرد اور سات عورتیں حبشہ روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہل مکہ نے سُنا تو سخت برہم ہوئے اور عمرو بن العاص کی سر کردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے برخلاف اُسے اُکسائیں' مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتعال ہوا اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی ''شعب ابی طالب'' میں جا کر پناہ لی' چنانچہ آپؐ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو آپؐ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اُٹھنے کے وقت سن مبارک 49 برس کا تھا (اور ایک قول کے مطابق 48 سال کا) اس

واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپؐ کے مہربان چچا ابوطالب کا انتقال ہوا' پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کے پریشان کیا۔ تنگ آ کر آپؐ زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سنایا' مگر ایک متنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہل مکہ سے زیادہ قسی القلب ثابت ہوئے' جب آپؐ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونوں طرف دو صفیں اوباشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو سنگباری کرتی تھیں' آپؐ کے پاؤں اسقدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی نلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی جو مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام ''نخلہ'' پر نصیبین کے سات جنوں نے آپؐ سے قرآن سنا' اور اسی سفر میں آپ نے پروردگار سے بصد زاری مناجات کی کہ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ(سیرت ابن ھشام) ''الٰہی میں تجھ ہی سے اپنی بے کسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں'' مکہ میں داخلہ مطعمؓ بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اس کے بعد معراج ہوئی پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے' پھر عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے' جہاں ربّ العزت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی' بعضوں کا خیال ہے کہ حالت خواب میں ہوئی تھی۔

دین حق کی ترقی:

طائف سے واپسی کے بعد آپؐ برابر مکہ میں مقیم رہے' ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا' سب کچھ سہتے تھے' مگر دعوت حق سے منہ نہ موڑتے تھے' آپؐ کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے' دعوت دیتے اور فرماتے ''کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے' تاکہ میں خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟'' مگر کوئی شنوا نہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے دین کو غلبہ دے' اپنا وعدہ پورا کرے' اپنے نبی ﷺ کی مدد کرے' اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے' تو اس کے لئے ایک

غیر متوقع سامان کر دیا۔ ایک موسم حج میں آپ ؐ مدینہ والوں کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے' وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ تھے) عقبہ منٰی کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے' سرور عالم ؐ بھی قریب بیٹھ گئے' دعوت حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ اُن کے دل نرم ہو گئے' مشرف بہ اسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے' یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی' مدینہ کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی' مسجد بنی زُریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اوّلین مسلمانوں میں سے تھے' اُنہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے عورتوں کی [1] بیعت کی اور واپس چلے گئے۔ تیسرے سال اُن کے 73 مرد اور دو عورتیں آئیں' اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اس طرح حفاظت وحمایت کریں گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے اس واقعہ کے بعد صحابہ ؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی گئی' اور مسلمان جوق در جوق خفیہ طور پر روانہ ہونے لگے' انصاریوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور مدینہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

---

[1] عورتوں کی بیعت سے مراد عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے۔ جو سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط "(اے نبیؐ! جب مومن عورتیں تمہارے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں گی' نہ چوری کریں گی' نہ زنا کریں گی' نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ نیک کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی' تو اُن سے بیعت لے لو اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو) آج کل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں' مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دور رہا؟ (مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر کو بھی ہجرت کی اجازت دی' چنانچہ آپ ﷺ مکہ سے بروز دو شنبہ ماہ ربیع الاوّل (بعضوں کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے' حضرت ابو بکر صدیق ؓ، اُن کے غلام عامر بن فهیره اور رہبر عبد اللّٰه بن الار قیط ہم رکاب تھے۔ سفر جاری کرنے سے پہلے آپ ﷺ مع حضرت ابو بکر ؓ کے تین دن تک غار ثور میں رہے' کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے۔ پھر ساحل کی راہ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مدینہ کے قریب پہنچ گئے' 12 ربیع الاوّل دوشنبہ کا دن تھا' حوالی مدینہ میں قبا نامی گاؤں میں ٹھہرے' خاندان عمر و بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی' اُن کے ہاں 14 دن قیام رہا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا' نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا' اترے سب مسلمانوں کو جمع کیا جن کی تعداد وہاں ایک سو تھی' پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے' لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کے آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کے مہمان بننے کی پیش کش کرتے' جواب ملتا ''چھوڑ دو اسے حکم مل چکا ہے'' چنانچہ وہ چلتے چلتے اُس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل و سہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپ ؐ اُتر پڑے اور ابو ایوب ؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی' کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی' خود سرور عالم ؐ اور صحابہ دیواریں اُٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا پھر قرب وجوار میں ازواج مطہرات ؓ کے حجرے۔ جن میں آپ ؐ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہ صدیقه رضی اللّٰه عنها کا تھا۔ سات ماہ بعد ابو ایوب ؓ انصاری کے ہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبریں حبشہ پہنچیں تو 33 مہاجر مدینہ کو چلے' جن میں سے سات تو اہل مکہ کے ہاتھوں میں پڑ کر قید ہو گئے باقی خدمت نبوی ؐ میں پہنچ گئے۔ ہجرت کے وقت عمر مبارک 53 برس کی تھی۔

آپ ﷺ کی اولاد:

سب سے بڑے بیٹے قاسمؓ ، پھر زینبؓ ، پھر رقیہؓ ، پھر اُمّ کلثومؓ ، پھر فاطمہؓ ، پھر عبد اللہؓ یہ سب کے سب اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے ، کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی ، البتہ آپ ؐ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں ۸ھ ہجری میں ابراہیمؓ پیدا ہوئے ، لیکن حالت شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے ۔ آپ ؐ کی تمام اولاد آپ کی حیات ہی میں فوت ہوئی بجز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں ، اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں !

آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں:

آپ ؐ کے چچا : سید الشہداء حمزہؓ بن عبد المطلب ، عباسؓ ، ابو طالب ، ابو لھب ، زبیر ، عبدالکعبہ ، مقوم ، ضرار ، قثم ، مغیرہ ، عیداق ، بعضوں نے "عوام کا بھی اضافہ کیا ہے ۔ ان میں بجز حمزہؓ و عباسؓ کے کوئی مسلمان نہ ہوا ۔

آپ ؐ کی پھوپھیاں : صفیہؓ (حضرت زبیرؓ بن العوام کی والدہ) عاتکہ ، برّہ ، اروی ، امیمہ ، ام حکیم البیضاء ۔ صفیہ کا اسلام محقق ہے ، عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے ، بعضوں نے اروی کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے ۔

اُمہات المومنین:

سب سے پہلی خدیجہؓ بنت خویلد القرشیہ ہیں ، نبوت سے پہلے زوجیت میں آئیں ، اُس وقت عمر ۴۰ سال تھی ، مگر ان کی زندگی بھر آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی ۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنھوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کا

بارِگراں اُٹھانے میں رسول خداؐ کی مدد کی' آپؐ کے ساتھ مصائب برداشت کئے' اور جان و مال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد سودہؓ بنت زمعة القرشیه سے شادی کی' (انہوں نے بعد میں اپنا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا)۔ پھر عائشہ صدیقہؓ بنت ابی بکر الصدیق (رضی اللّٰہ عنہما) سے عقد کیا۔ (۱ھ میں رخصتی ہوئی، ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دوشیزہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہم عصروں میں رسول خدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں' سب سے زیادہ ذی علم تھیں' بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے' آپؓ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپؓ کی طہارت و برأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے!) پھر حفصہؓ بنت عمر بن الخطاب (رضی اللّٰہ عنہما) سے شادی کی' (ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے انہیں طلاق دے دی تھی' مگر پھر رجوع کر لیا تھا)۔ ان کے بعد زینبؓ بنت خزیمه بن الحارث القیسیه ہیں جو شادی سے دو ماہ بعد فوت ہو گئیں۔ پھر اُمِ سلمہؓ ہند بنت ابی امیه القرشیة المخزومیه سے شادی ہوئی جو ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ دیر زندہ رہیں۔ پھر زینبؓ بنت جحش (قبیلۂ بنی اسد) سے شادی کی' یہ آپؐ کی پھوپھیری بہن یعنی امیمه کی بیٹی تھیں' انہی کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ " فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا "[۱]

---

[۱] پوری آیت سورہ احزاب میں اس طرح موجود ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (پھر جب زید اُس سے اپنی حاجت پوری کر چکا۔ تو ہم نے اُس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہتا تھا'') عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لڑکوں اور لے پالکوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہو سمجھتے تھے' زید بنؓ حارثہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے' ان کے ساتھ آپؐ نے زینب بنت جحش کا عقد کر دیا تھا جب دونوں میں کسی طرح نہ بنی اور زیدؓ نے طلاق دے دی تو خود آپؐ نے اُن سے شادی کر لی' تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہو جائے' اسی طرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی' جیسا کہ کتب سیرت میں بالتفصیل مذکور ہے' دشمنانِ اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں' حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرت کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں آپؐ دوشیزاؤں کو چھوڑ کر بوڑھیوں سے (حاشیہ جاری ہے)

وہ اس پر فخر کیا کرتیں، اور دوسری بیبیوں سے کہتیں تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے، مگر میرا رشتہ خود اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے!'' اوائل خلافت عمرؓ میں انتقال کیا۔ پھر **جویریہؓ بنت حارث** سے شادی کی جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں۔ جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کے لئے حاضر ہوئیں، آپؐ نے فدیہ ادا کیا اور عقد کر لیا۔ پھر **اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ صحر بن حرب** ہیں، جو **عبد اللہ بن جحش** کی زوجیت میں تھیں، دونوں نے حبشہ ہجرت کی، شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی۔ مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپؐ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو اُن کی شادی کے لئے کہا، نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ ان کے بعد **صفیہؓ بنت حی بن اخطب** سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپؐ کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپؐ نے آزاد کر دیا اور اس آزادی کو مہر قرار دے کر عقد کر لیا، جس کے بعد یہ سنت پوری امت کیلئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اُس کی آزادی کو مہر قرار دے دے اور شادی کر لے۔ پھر **میمونہؓ بنت حارث الھلالیہ** سے شادی کی، یہ آخری شادی تھی۔

آپ ﷺ کے غلام اور کنیزیں:

آپؐ کے غلاموں میں سے **زیدؓ بن حارثہ** آپ کے محبوب ہیں، جنہیں آپؐ نے آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز اُم ایمن سے شادی کر دی تھی۔ جن سے اُسامہؓ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپؐ کے غلام ہیں: **اسلم ' ابو رافع ' ثوبان ' ابو کبشه سلیم ' شقران صالح ' رباح نوبی یسار نوبی ' مدعم ' کرکرہ نوبی ' انجشه الحادی ' سفینه ابن فروخ**'

کیوں شادی کرتے؟ بجز حضرت عائشہؓ کے کوئی دوشیزہ نہ تھی، اور اکثر پچاس کے سن سے متجاوز تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ " **لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَامَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا** " (اے نبیؐ! اس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ اُن کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو، البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے'')۔ (مترجم)

(ان کا اصلی نام مہران تھا، آنحضرت ﷺ نے سفینہ نام رکھا کیونکہ سفر میں اسباب اُٹھا کر چلتے تھے)

ابو مشروح انیسہ ، افلح ، عبیدہ ، طحمان ، حنین ، سندر ، فضالہ ۔ کنیزوں میں:

سلمٰی ام رافع ، میمونہ بنت سعد ، خضیرہ ، رضوی ، رشیحہ اور ریحانہ ہیں۔

آپ ﷺ کے خدّام :

انس بن مالکؓ ، عبد اللہ بن مسعودؓ (جوتے و مسواک بردار) عقبہؓ بن عامر الجهنی (آپ ﷺ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) اسلعؓ بن شریک (اونٹ کے محافظ) ابو ذرؓ غفاری، ایمنؓ عبیدہ ، بلالؓ بن رباح المؤذن ، سعدؓ (یہ دونوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے غلام تھے)۔

آپ ﷺ کے محرّر (تحریروں کے کاتب):

ابوبکرؓ ، عمرؓ ، عثمانؓ ، علیؓ ، زبیرؓ ، عامرؓ بن فہیرہ ، عمرؓ و بن العاص ، ابیؓ بن کعب ، عبداللہؓ بن الارقم ، ثابتؓ بن قیس ، حنظلہؓ بن الرّبیع ، مغیرہ بن شعبہؓ ، عبداللہؓ بن رواحہ ، خالدؓ بن الولید ، خالدؓ بن سعید بن العاص ، معاویہؓ بن سفیان ، زیدؓ بن ثابت (خاص طور پر زیدؓ ہی کتابت کرتے تھے)۔

آپ ﷺ کی شرعی تحریریں:

صدقات کے بارے میں آپؐ کی ایک تحریر حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھی جسے انہوں نے انس بن مالکؓ کو بحرین بھیجتے وقت نقل کر کے دیا تھا۔ آپؐ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابو بکر بن عمرو بن حزم، حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، یہ ایک عظیم الشان

تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آ گئے ہیں۔ آپؐ نے ایک تحریر قبیلہ زہیر کو روانہ کی تھی۔ زکوٰۃ کے باب میں آپؐ کی ایک تحریر حضرت عمرؓ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد:

حدیبیہ سے واپس آ کر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے۔ شاہِ روم کا خط جب لکھا جا چکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مُہر کئے خط قبول نہیں کرتے۔ اس پر مہر تیار کرائی جس میں تین سطریں کندہ تھیں: سب سے نیچے "محمدؐ" کی سطر تھی، اس کے اوپر "رسول" کی اور سب سے اوپر "اللہ" کی خطوں پر مہر کر دی گی اور ماہ محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے: عمروؓ بن امیۃ الضمری شاہ حبش نجاشی[1] کے دربار میں گئے جس کا نام "اصحمہ" (جس کا ترجمہ عربی میں "عطیہ" یعنی بخشش ہے) تھا، اور انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے خط کی از حد تعظیم کی اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی لئے اس کے انتقال کے دن آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ یہ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد و واقدی وغیرہ شامل ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ جس نجاشی پر آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی، وہ نہ تھا جسے خط بھیجا تھا، چنانچہ خود امام مسلمؒ نے اپنی "صحیح" میں روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کے جنازہ کی نماز آپؐ نے پڑھی تھی محمد ابن حزم کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں آنحضرت ﷺ کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبی قیصر روم کے دربار میں گئے جس کا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہو جانے کے اس سعادت سے محروم رہا۔ ابو حاتم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ قصہ یوں روایت کیا ہے کہ جب

---

[1] حبشہ کے بادشاہوں کا لقب "نجاشی" ہوتا تھا۔ جیسے شاہان روم کا "قیصر" (مترجم)

آنحضرت ﷺ قیصر روم کو خط بھیجنے لگے۔ تو مخاطبین سے فرمایا ''کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لے جائے اور معاوضہ میں جنت لے؟ ایک شخص نے سوال کیا ''اگر چہ وہ منظور نہ کرے''؟ فرمایا ''اگر چہ وہ منظور نہ کرے'' چنانچہ دحیہ خط لے کے روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آرہا تھا' راستہ میں ملاقات ہوگئی' انہوں نے خط فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا'' خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے میں پناہ دیتا ہوں'' دحیہؓ سامنے آگئے اور کہا ''میں لایا ہوں۔'' قیصر نے کہا جب قیام کروں حاضر ہونا' روایت ہے کہ پھر دحیہؓ پہنچے' قیصر نے محل کے پھاٹک بند کرادیے۔ اور حکم دیا کہ منادی کر دو۔ ''قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمدؐ کی پیروی قبول کر لی''! یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اُٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے دحیہؓ سے کہا'' تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے پھر اعلان کرایا: ''لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا'' ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا کہ ''میں مسلمان ہوں'' نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سن کے آپ ﷺ نے فرمایا ''دشمن خدا جھوٹا ہے' ہرگز مسلمان نہیں' اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے اور دینار تقسیم کر دیئے۔

عبد اللہؓ بن حذافہ السہمی کسریٰ کے دربار میں گئے جس کا نام ابرویز (پرویز) ابن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' حضور ﷺ کو خبر پہنچی تو صرف اس قدر فرمایا'' خدایا اس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال'' چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔

حاطب ابن ابی بلتعہؓ، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں گئے' اس کا نام جریح بن مینا تھا' یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا' فطرت کا نور چمکا مگر معاً گل ہو گیا' اسلام لاتے لاتے رہ گیا' لیکن رسولؐ اللہ کی خدمت میں بہت سے ہدیے بھیجے' جن میں **ماریہ قبطیہ** اور اُن کی دو بہنیں **''سیرین''**

و "قیسرین" بھی تھیں، ماریہ کو حضور ﷺ نے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور سیرین حسانؓ ابن ثابت کو دے دی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز، سو مثقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بھورا خچر (دُلدُل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خواجہ سرا (مابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے۔ ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا "خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی حالانکہ وہ رہنے والی نہیں"!

شجاعؓ بن وهب الاسدی کو شاہ بلقاء حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں اور سلیط بن عمرو کو رئیس یمامه هوذه بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا، آخر الذکر نے قاصد کا پُر تپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا، اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامه بن اثال الحنفی سے ملنے گئے جو انہیں کے اثر سے بعد میں اسلام لے آیا۔ یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف میں روانہ فرمائے، عمروؓ بن العاص کو جیفر و عبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا دونوں کے دونوں مسلمان ہوگئے، آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضاء کے انتظامات میں عمروؓ بن العاص کو ہر طرح کے اختیارات دے دیئے، چنانچہ عمرو ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ وفات نبوی ﷺ کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علاءؓ بن الحضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔ مہاجرؓ بن ابی امیه المخزومی کو حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کروں گا۔ ابو موسیٰؓ اشعری اور معاذؓ بن جبل کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے یمن بھیجا، جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیئے اور سب

کے سب بلا کسی جبر و کراہ اور جنگ کے جوق در جوق مسلمان ہو گئے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ کو اُن کی طرف روانہ فرمایا۔ اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے یمنیوں سے ملے۔ جریرؓ بن عبد اللہ البجلی کو ذو الکلاع الحمیری اور ذو عمر کے پاس دعوت اسلام دے کر روانہ کیا' دونوں کے دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔ عمروؓ بن امیہ الضمری کو خط دے کر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا' پھر دوسرا خط سائبؓ بن عوام (حضرت زبیر کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا' مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ فروہ بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہِ نبوّت میں بھیجے۔

مؤذّن:

آپ ﷺ کے مؤذن چار تھے' دو مدینہ میں رہتے تھے' ایک قبا میں' اور ایک مکہ میں مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی ' جو اسلام میں سب سے اوّل مؤذن ہیں' اور عبد اللہؓ ابن ام مکتوم القرشی (نابینا)۔ قبا میں سعد القرظؓ (عمارؓ بن یاسر کے غلام) اور مکّہ میں اوسؓ بن مغیرہ الجمحی (ابو محذورہ) تھے۔

عُمّال:

آپؐ نے متعدد عمال (گورنر) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے' اسلام لے آئے تو آپؐ نے عہدہ پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے' ان کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے کو صنعاء کا گورنر مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالدؓ بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔ مہاجرؓ بن ابی امیہ المخزومی کو ''کندہ'' اور ''صدف'' کا حاکم مقرر کیا' مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت کا وصال ہو گیا'

اس لئے روانگی ملتوی ہوگئی اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔زیادؓ بن امیہ انصاری کو"حضرموت" کا' ابو موسیٰؓ اشعری کو زبید' عدن' زمع اور ساحل کا' ابو سفیانؓ صخر بن حرب کو نجران کا' ان کے بیٹے یزیدؓ کو تیما کا' عتابؓ بن اسید کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اسوقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔پھر حضرت علیؓ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا۔عمرو بنؓ العاص کو عمان اور اس کے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ان کے علاوہ بکثرت صحابہ کو صدقہ وزکوۃ وصول کرنے پر متعین کیا' ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔9ھ موسم حج کا والی حضرت ابو بکرؓ کو بنایا' پھر فوراً حضرت علیؓ کو" سورئہ برأة" سنانے کے لئے مکہ بھیجا۔

محافظ:

متعدد صحابی آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے متعین تھے' چنانچہ سعدؓ بن معاذ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جبکہ آپ ﷺ سو گئے تھے۔محمد بن مسلمہؓ نے اُحد میں حفاظت کی' زبیرؓ بن العوام نے جنگ خندق میں۔عبادؓ بن بشر آپؐ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن جب آیت "وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا) نازل ہوئی تو آپؐ برآمد ہوئے' لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

شعراء:

آپ ﷺ کے شعراء: کعبؓ بن مالک' عبد اللّٰہؓ بن رواحہ' حسانؓ بن ثابت' اور خطیب ثابتؓ بن قیس بن شماس ہیں۔

حدی خوان:

سفر میں آپ ﷺ کے حدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبد اللّٰہؓ بن رواحہ

انجشہ ' عامرؓ بن الاکوع ' اور مسلمؓ بن الاکوع تھے۔صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس انجشہ نامی ایک خوش آواز حدی خواں تھا' ایک مرتبہ اُس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے عورتیں بھی ساتھ تھیں۔آپؐ نے فرمایا۔ "انجشہ ہولے ہولے' شیشے ٹوٹ نہ جائیں' ' شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

ہتھیار اور گھر گرستی:

آپؐ کے پاس نو تلواریں تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور " ذوالفقار "تھی' یہ نہایت محبوب تھی' ہمیشہ ساتھ رہتی تھی' اِس پر جا بجا چاندی چڑھی ہوئی تھی' سات زرہیں تھیں' چند ڈھالیں تھیں جن میں ایک کا نام "فتق "اور دوسری کا " زلوق" تھا۔پانچ نیزے تھے' تین لوہے کی چھڑیاں (حربے) تھیں' جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی' کبھی اسے خود ہاتھ میں لے کر نکلتے' عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لے کر آگے آگے چلتا' اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔دو خود (ہیلمٹ) تھے ایک کا نام "موشح" رکھا تھا اور دوسرے کا "مسبوغ"۔تین جبے تھے جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے' کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ مہین سبز کپڑے کا تھا۔متعدد زرد' سیاہ اور سفید جھنڈے تھے۔ایک چھوٹا سا خیمہ بھی تھا جس کا نام "کُن" تھا۔ایک خمیدہ جریب (ٹیڑھی لاٹھی) تھی جسے لے کر چلتے' اس پر سہارا دے کر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا لیتے تھے۔دو پیالے تھے' ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی' دوسرا شیشہ کا تھا۔ایک تیل دانی تھی۔ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ' کنگھا' قینچی اور مسواک رہتی تھی۔بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔چارپائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ایک بہت بڑا کونڈا تھا' جس کا نام "غراء" تھا اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی مل کے اُٹھاتے تھے۔ایک فرش (دری) تھی۔ایک لکڑی کا برتن تھا جو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپؐ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔ان چیزوں کے علاوہ آپؐ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں جن کی

تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے' جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا ایک بکری ذبح کر ڈالتے۔ جنگ بدر میں آپ ﷺ کو مال غنیمت میں ابوجہل کا یمنی اونٹ حاصل ہوا تھا جس کی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی' حدیبیہ کے موقعہ پر اسی کو قربانی کے لئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

لباس:

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا' کبھی بغیر ٹوپی کے' اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے عامرؓ بن عبد اللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اس کا شملہ پشت پر۔ لیکن جابرؓ بن عبد اللہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے صرف اسقدر ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا' اس کی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں' تنگ آستینوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ' قبا' تہ بند' چادر اور بعض دوسرے قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔ حُلّہ سرخ بھی پہنا ہے' حلّہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر۔ سرُخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا' بلکہ حُلّہ یمانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سرخ و سیاہ دھاگوں کو ملا کر بنا جاتا تھا' اسکا رنگ اگرچہ سرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سرُخ ہی تھا۔ خالص سرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے (بخاری) ابوداؤدؒ نے عبدؓ اللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُنہیں اصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو فرمایا۔ "یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے"؟ عبد اللہ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا ہے' چنانچہ فوراً گھر آیا' تنور جل رہا تھا' میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے "عبد اللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے"؟ میں نے واقعہ بیان کر دیا فرمانے لگے" اپنی بیوی کو

کیوں نہ دے دیا؟ عورتوں کے لئے اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں''۔
سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے' فروہ [1] بھی کہ جس کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ اور ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے۔ خف (چرمی موزے) اور جوتا پہنا ہے صحیح مسلم میں اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہّ نکالا جو دیباج کی طرح نرم تھا اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی' پھر فرمایا۔
یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہّ ہے' حضرت عائشہؓ کے پاس تھا' ان کے انتقال پر میں نے لے لیا' آنحضرت ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔'' آپ ﷺ کا کرتہ سوت کا ہوتا' طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں' یہ لمبی چوڑی تھیلوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ ﷺ کے لباس میں ہوئیں نہ کسی صحابیؓ کے۔ ان کا استعمال قطعًا خلاف سنت بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے کیونکہ وہ منجملہ اُس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔
سفید رنگ کا کپڑا حضور ﷺ کو بہت مرغوب تھا' چنانچہ فرمایا ''سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے خود پہنو اور مُردوں کو اس میں کفناؤ۔''
لباس کے بارے میں آپؐ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آ جاتا' پہن لیتے' کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا' چنانچہ اُونی' سوتی' کتانی ہر قسم کے کپڑے پہنتے' الاّ یہ کہ کوئی خاص عذر مانع ہوتا تو اجتناب کرتے' مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے واسطے اونی جبہ تیار کیا' آپؐ نے پہن لیا' لیکن جب پسینہ نکلا اور اون میں بدبو پیدا ہوئی تو فوراً اُتار دیا۔ آپؐ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی حتیٰ کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداوٗد میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کے جسم مبارک پر بہتر سے بہتر لباس دیکھا ہے۔ پس جو لوگ زہد وعبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں یا جو لوگ جھوٹے کھانے اور موٹے کپڑے کو غرور

---

[1] یعنی پوستین

سے ناپسند کرتے ہیں' دونوں کے دونوں سنت نبویؐ سے منحرف ہیں۔ سنت نبوی ﷺ میں ہر با
ت اعتدال پر مبنی ہے' افراط وتفریط کا وہاں گزر نہیں' اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی
اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے' کیونکہ دونوں لباس شہرت میں
داخل ہیں۔ ابنِ عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں
لباس شہرت [1] اختیار کرے گا آخرت میں خُدا اُسے ذلت وخواری کا لباس پہنائے گا' جس
کے شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر جھلسے گا! صحیحین میں ہے کہ فرمایا۔ جس کسی نے غرور سے
اپنے لباس کے دامن دراز کئے قیامت کے دن خدا اس کی طرف نہ دیکھے گا۔

اس بارے میں کوئی خاص اصول بنایا نہیں جا سکتا' مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب
ہوتا ہے' چنانچہ شہرت اور تکبر کے خیال سے ادنیٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے' اور اعلیٰ سے
اعلیٰ لباس بھی حمد وشکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی
اس حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی کے
دل میں ایک ذرّہ بھی غرور ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا' اور جس کے دل میں ایک ذرّہ بھی
ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی: لیکن یا رسول
اللہ ﷺ' میری خواہش یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو' کیا یہ بھی غرور ہے؟
فرمایا نہیں' اللہ جمیل ہے' جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور' حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے۔

اکل وشرب:

اکل وشرب میں سنت نبویؐ یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا' اُسی پر اکتفا کرتے نہ موجود کو رد کرتے
نہ غیر موجود کے لئے اہتمام فرماتے۔ طیّبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا' تناول کر

---

[1] ''لباس شہرت'' سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنے والا' دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحب لباس کے لئے عظمت وبزرگی قائم کرنے والا ہو' عام اس سے کہ دنیا داروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا' اس وقت جو لباس صوفیوں اور پرانے مولویوں میں رائج ہے' وہ بھی لباس شہرت میں داخل ہے' کیونکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباس شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)

لیتے' الا یہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اُٹھا لیتے' مگر نہ تو اُس کی مذمت کرتے نہ اُسے حرام قرار دیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی' جو مرغوب ہوا کھا لیا ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا' جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں ہوا کہ اُسے کبھی کھایا نہ تھا اس لئے تناول کرنے سے اجتناب کیا' لیکن امت پر حرام نہ کیا' بلکہ خود آپؐ کے دستر خوان میں لوگوں نے اُسے کھایا اور آپؐ دیکھتے رہے۔[1] بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا' مگر آپؐ نے نہ تو کسی سے مانگا نہ شکایت کی' بلکہ صبر و شکر کئے رہے' بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں' اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں مگر اُف تک نہ کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا' خدا کے اس وسیع فرش سے دستر خوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کے پیتے' لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے' چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے' لوگ پانی پی رہے تھے' آپ ﷺ نے بھی طلب فرمایا' ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔

ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے' فرمایا۔ ''پانی پیو تو چوس کر پیو'' اور فرمایا ''پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو' بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لو۔'' صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے۔ ''اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے۔'' ترمذی میں ہے کہ فرمایا ''ایک سانس میں غٹ غٹ پانی نہ پیو' بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو' بسم اللہ سے شروع کرو اور جب پی چکو تو خدا کی حمد و ثنا کرو۔'' کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے اور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ مشروب پی چکتے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف والے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

---

[1] یہ واقعہ حضرت خالدؓ بن ولید کا ہے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ برتاؤ:

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا'' تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنادی گئی ہیں' لیکن نماز میں میری دلی مسرت ہے''۔تمام ازواج کے ساتھ شب باشی' رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے' رہی محبت میں کمی بیشی تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں' اسی لئے فرمایا کرتے'' خدایا جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں' لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجیو ''! آپ ﷺ نے طلاق بھی دی ہے رجوع بھی کیا ہے' ایک مہینہ کیلئے ایلا [1] بھی کیا ہے لیکن ظہار [2] کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا' ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے' حضرت عائشہؓ کم عمر تھیں اس لئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کے لئے بُلا دیتے' اگر وہ کسی ایسی بات کے لئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے' محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اُسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش کر لیتے جہاں اُن کے لب لگے ہوتے! اکثر ان کی گود میں ٹیک لگاتے' اگر ایام سے ہوتیں تو بھی ان کے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے' روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشہ دکھا رہے تھے آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو دکھایا اور اس طرح کہ وہ آپؐ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔دو دفعہ سفر میں مذاقاً اُن سے دوڑ بھی کی ہے' اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں اُن سے کشاکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر پر جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے' جس کا نام نکل آتا اُسی کو ہمراہ لے جاتے۔حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے'' سب سے اچھا آدمی وہی ہے' جو اپنے اہل کے

---

[1] [2] ان دونوں لفظوں کے معنی آگے بیان ہوں گے

ساتھ اچھا ہو میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں'' دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے' جب رات ہو جاتی تو اُس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی' اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی' خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی کیونکہ حضرت سودہؓ نے کبرسنی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی' اس لئے ان کے ہاں دو رات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے' اگر اول شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے۔ کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اس رات ازواج کے گھر نہ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔[1]

خواب اور بیداری:

کبھی بستر پر سوتے' کبھی چٹائی پر' کبھی چارپائی پر' کبھی زمین پر' بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو فرماتے ''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَحْيَا وَاَمُوْتُ'' (الٰہی! تیرے ہی نام جینا اور مرنا ہے) دائیں کروٹ پر لیٹتے' دایاں ہاتھ دائیں رخسارے کے نیچے رکھتے' پھر فرماتے ''اَللّٰهُمَّ وَقِنِیْ عَذَابَكَ يَوْمَ تُبْعَثُ عِبَادُكَ'' (الٰہی! جس دن تیرے بندے اٹھائے جائیں گے مجھے اپنے عذاب سے بچائیو) جب بیدار ہوتے تو فرماتے ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرِ'' (خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اُسی کی طرف پھر

---

[1] ایسا اس لئے' تاکہ عورت کو اپنی تیاری کا موقعہ مل جائے' رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

لوٹ کے جانا ہے) پھر مسواک کرتے ۔ دستور تھا کہ اوّل رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اُٹھ بیٹھتے' لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔ آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا' اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اُٹھاتا یہاں تک کہ خود اُٹھ جاتے۔

سواری:

آپ ﷺ کی سواری میں گھوڑے' اونٹ' خچر اور گدھے رہے ہیں' کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر' اکثر تنہا بیٹھتے' لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے' عموماً مردوں کو بٹھاتے' کبھی کبھی ازواج مطہّرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے۔ سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی' خچر کا وجود عرب میں کم تھا' اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے' تو جواب میں فرمایا۔ "یہ فعل جاہلوں کا ہے"۔

معاملات و اخلاق:

آپؐ نے تجارت کی ہے' خرید و فروخت کی ہے' ٹھیکہ لیا ہے اور دیا ہے نبوّت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ساجھے میں بھی کام کیا ہے' چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا"۔ آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا؟" فرمانے لگے "نہیں تم تو میرے شریک تھے اور کیا ہی اچھے شریک' نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار و حجت کی"۔ آپؐ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے' ہدیہ لیا ہے' اور دیا ہے' اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔ ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لیے ہبہ کرایا ہے' چنانچہ سلمہؓ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیز آئی' آپؐ نے فرمایا۔ "یہ مجھے ہبہ کر دو' انہوں نے

فوراً منظور کرلیا' آپ ﷺ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رہا کرالیا آپؐ قرض بھی لیتے تھے' کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے' ضروریات زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور کبھی اُدھار خریدتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ اعلان عام تھا کہ میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں' جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اُس کی ادائی میرے ذمہ ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لیے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی آپ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے چاہی بھی ہے' چنانچہ "بریرۃ" سے اس کے شوہر کے بارے میں سفارش کی کہ اس کی زوجیت میں رہنا منظور کر لے' مگر جب اُس نے انکار کر دیا تو اُس پر کچھ ناراض بھی نہ ہوئے۔ آپؐ قسم بھی کھاتے تھے' مگر کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے' کبھی بغیر شرط کے رکھتے' کبھی اُسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اُسے آخر تک پورا کرتے [1] آپ ﷺ مذاق بھی کرتے تھے' لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ توریہ [2] بھی کرتے مگر اس میں بھی حق وصدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقعوں پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اس کے مخالف سمت کے حالات' راستے اور منزلیں دریافت فرماتے تا کہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔ آپؐ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے' جنازوں میں شرکت کرتے' دعوت [3] قبول کرتے' بیواؤں' مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے' شعر بھی سنتے' اس پر انعام بھی دیتے۔ آپ ﷺ نے پیدل دوڑ بھی کی ہے' کشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے' کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے۔ کپڑوں سے جوئیں بھی نکالی ہیں۔

---

[1] یہ سب اس لئے کہ امت کے لئے اسوہ ونمونہ ہوں (مترجم)

[2] ایسی بات جو مغالطے میں ڈال دے۔

[3] دعوت کے معاملہ میں آج کل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں' اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے' کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کے لئے علما دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں' اس سے سنت کی مخالفت نہ ہوگی' کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت) موجود ہے۔ (مترجم)

اہل وعیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوئی ہیں۔ مہمان بھی ہوئے ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔ معاملات میں آپؐ کا طریقہ بہترین تھا' قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں دُعا فرماتے۔ "بَارَکَ اللہُ فِیْ اَھْلِکَ وَمَا لِکَ ، اِنَّمَا جَزَآءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَ الْاَدَآءُ" (اللہ تیرے مال واولاد میں برکت عطا فرمائے' قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گزاری ظاہر کی جائے) ایک مرتبہ ایک انصاری سے کچھ قرض لیا درمیان میں اُسے ضرورت ہوئی اور وہ تقاضا کے لئے حاضر ہوا' اُس وقت آپؐ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا' فرمانے لگے "ابھی تک ہمارے پاس کوئی آمدنی نہیں آئی"۔ اس نے کچھ کہنا چاہا' روک کر فرمانے لگے "ٹھہرو! کچھ اور نہ کہو' مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے"! چنانچہ بعد کو اسے قرض سے دونا (دوگنا) دے دیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ اُدھار خریدا' وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا' صحابہؓ تنبیہ کے لئے اُٹھے' آپؐ نے منع کیا اور فرمانے لگے' رہنے دو' حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے ایک مرتبہ کچھ اُدھار خریدا' پھر فروخت کیا تو نفع ہوا' نفع کو خاندان عبد المطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمانے لگے "آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی ادھار نہ خریدیں گے" (ابو داؤد) ایک مرتبہ قرض خواہ تقاضا کے لئے آیا اور سخت سست بکنے لگا' حضرت عمرؓ مارنے چلے' آپؐ نے روکا اور فرمانے لگے "عمرؓ! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی" ایک یہودی سے کچھ مال خریدا وہ قیمت لینے آیا' آپؐ نے فرمایا "ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا" وہ شوخ چشمی سے بولا "تم خاندان عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو"! اس پر صحابہؓ کو غصہ آ گیا اور دوڑ پڑے' آپؐ نے سب کو روک دیا' اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا' آپؐ اتنے ہی نرم ہوتے گئے' یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ " پکار اُٹھا' اُس نے کہا

یارسول اللہ ﷺ نبوّت کی تمام باتیں مجھے آپ ﷺ میں نظر آتی تھیں، صرف آپ ﷺ کے حکم کا امتحان باقی تھا، سواس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا:

ابو ھریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے زیادہ تیز رفتار[1] میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے، مگر آپؐ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ **حضرت علی**ؓ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان پہاڑی سے اُتر رہے ہیں دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو اُنہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے ”مجھے ملائکہ کے لئے اپنے پیچھے رہنے دو“۔ آپؐ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی، بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آ گیا اور خون بہنے لگا، اس پر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا:

هَلْ اَنْتَ اِلَّا اَصْبَعٌ دُمِيْتَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتَ

(تو کیا ہے صرف ایک انگلی جو زخمی ہوگئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے)

سفر میں اپنے صحابہ کا **مؤخرۃ الجیش**[2] خود ہوتے، کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، ان کے حق میں دعا فرماتے۔ نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین ہی پر۔ جب **عدی**ؓ **بن حاتم** آئے تو آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے، کنیز نے وہ گدّا لا کر ڈال دیا جس پر اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدی کے بیچ میں رکھ کے خود زمین پر رونق افروز ہو گئے عدی کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ ”یہاں بادشاہی نہیں ہے“!

---

[1] ہمارے ہاں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد واتقا سے قرار دیتے ہیں، اللہ کا رسول ﷺ اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے، یہ چیز ان کے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج ہم اُن سے زیادہ پرہیزگار ہو گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیا داروں کی زندگی قرار دیتے ہیں، سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی (عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین) بچنے نہیں دیتی، آج مسلمانوں کا دین بھی اتنا ہی پست ہو رہا ہے جتنی ان کی دنیا۔ خدایا رحم کر! (مترجم)

[2] سب سے آخر میں چلنے والا۔

لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا' کبھی کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیا کرتے تھے' تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے' کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت' اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

قضائے حاجت:

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو فرماتے **اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ الرِّجْسِ النَّجِسِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ** "(الٰہی مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خبائث سے نجس شیطان رجیم سے) جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے "غُفْرَانَکَ" (تیری مغفرت مطلوب ہے) کبھی پانی سے استنجا کرتے کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کے لئے دور چلے جاتے' یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے' کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے' کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے۔ اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو چھینٹیں اُڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کے زمین نرم کر لیتے۔ عموماً بیٹھ کے پیشاب کرتے لیکن امام مسلمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک کوڑے کے ڈھیر کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقعہ ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلا سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔ استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور اُن باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں[1]۔ پھر پیشاب کرتے ہوئے سلام کا

---

[1] اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گی ہیں جن کے بغیر بقول اُن کے استنجا درست نہیں ہوتا' پھر اُن لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اس کے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی "احتیاط" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی طہارت لازمہ قرار دیتے ہیں' اور جو ان کی پیروی نہ کرے اُسے غیر متقی یا مذہب سے بے پروا سمجھتے ہیں' حالانکہ سنت نبویؐ میں اُن توہمات کا کہیں پتہ نہیں۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ بیت استنجا ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے یہ لوگ ڈھیلا لے کر دیر تک ٹہلتے ہیں' (حاشیہ جاری ہے)

جواب نہ دیتے تھے۔صحیح مسلمؒ میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے' ابن عمرؓ ادھر سے گزرے اور سلام کیا' آپ ﷺ نے انہیں جواب تو دے دیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے ''میں نے صرف اس خیال سے جواب دے دیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہ دیا' لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب میں اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا' کیونکہ جواب نہ دوں گا۔''
استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تو اُس وقت تک کپڑا نہ اُٹھاتے جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

صفائی:

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ داہنی طرف سے شروع ہو' جوتا پہننا' کنگھی کرنا' غسل کرنا' دینا لینا' سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کے لئے تھا' بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دور کرنے کے لئے تھا۔
حجامت کے بارے میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ مونڈا جائے[1]۔ آپؐ مونچھ[2] ترشواتے تھے' ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا ''جو مونچھ نہیں کٹاتا وہ ہم میں سے نہیں''۔ صحیح مسلمؒ میں ہے ''مونچھیں ترشواؤ' داڑھیاں[3] بڑھاؤ' اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو''۔ صحیحین میں ہے کہ ''مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ' مونچھیں کم کرو''

کھکار کرتے ہیں' ایک ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں' اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلا کسی حیا کے راستوں بازاروں اور مسجدوں میں دیکھے جاتے ہیں حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے' جلد سے جلد اس کا ازالہ ہونا چاہے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالدین کا موقعہ ملتا ہے۔ (مترجم)

[1] آپ نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ سر منڈایا ہے اور وہ بھی حج کے موقعہ پر' سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے' جب کاندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کر کانوں کی لو تک کر دیتے تھے' لہٰذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے نہ کہ منڈانا' جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں' منڈا سر نہایت برا معلوم ہوتا ہے' انبیا کا ذوق سلیم سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے اس لئے اس کے طریقوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے۔ (مترجم) [2] بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں' حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا مذکور نہیں' بلکہ بعض ائمہؒ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بدنما بناتے ہیں' اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی ڈاڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اسقدر بدہیئت بنا دیتی ہیں کہ بمشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم) (حاشیہ جاری ہے)

آنحضرتؐ کو خوشبو بہت پسند تھی اور اس کا استعمال بکثرت کرتے تھے' حتیٰ کہ بقول ایک جماعت علما کے خوشبو کے کثرت استعمال سے آپ ﷺ کے بال سُرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔ جابر بن سمرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے مسلم میں ہے کہ فرمایا ''جس کسی کو پھول پیش کیا جائے' چاہیئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے''۔ بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا ''اللہ طیّب ہے طیّب کو پسند کرتا ہے' صاف ہے' صفائی کو پسند کرتا ہے' سخی ہے' سخاوت کو پسند کرتا ہے' اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں'' حدیث میں ہے کہ ''ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے' اگر خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے'' آپ ﷺ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی' روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے' یا وضو کرتے یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ ''اگر امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا'' بخاری میں (تعلیقاً) ہے ''مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے!'' مسواک کے بارے میں بکثرت

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 71) ؎ داڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں' ایک مشت دو دو انگل'' کی جو ناپ مشہور ہو گئی ہے سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں' درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں' کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی ڈاڑھی اس کے چہرہ اور قد کے لئے مناسب ہوگی' تمام صحابہؓ کی ڈاڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھا کہ جس سے ڈاڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیئے اور لوگوں کو اُن کے ذوق پر چھوڑنا چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے' بہت سے لوگ ''خط'' بنواتے ہیں' یعنی رخسار' ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں جو بلا شک ''ڈاڑھی'' کے اندر داخل ہیں' یہ طریقہ بھی مسنون نہیں' معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بدنما ہو جاتا ہے' اسی طرح گدی کے بال منڈانے سے بھی بدنمائی پیدا ہوتی ہے مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑ لے'' خدا جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے'' ہرگز بدوضعی اور بدہئیتی سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

احادیث وارد ہوئی ہیں' قطع نظر اس کے اس میں بیشمار فوائد بھی ہیں' وہ منہ کو صاف کرتی ہے' مسوڑھے مضبوط کرتی ہے' دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دور کرتی ہے' قرأت قرآن اور ذکرِ الٰہی کی ترغیب دیتی ہے۔ مسواک ہر حال میں **مستحسن** ہے خصوصًا وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے' منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے عام اس کے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ' روزہ دار کے لئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ معدہ خالی ہونے کی وجہ سے اس کے منہ میں بو زیادہ ہو جاتی ہے' خود آنحضرت ﷺ کا بھی اس پر عمل تھا چنانچہ سنن میں **عامرؓ بن ربیعہ** سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاریؒ نے **ابن عمرؓ** کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اول اور آخر حصہ میں مسواک کرنا چاہئے۔ لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کلّی کر سکتا ہے' حالانکہ کلّی مسواک سے زیادہ دہن کو تری پہنچاتی ہے۔ بدبو سے روزہ کا ثواب نہیں بڑھتا' اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبودار دہن سے اس کی عبادت کریں؟

بلاشبہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کو روزہ دار کے منہ کی بو بھلی معلوم ہوتی ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصدًا منہ میں بو باقی رکھی جائے' یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بو اسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اُس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو خون کی طرح لال ہوگا' مگر اپنی بو میں مشک کی طرح ہوگا' حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دور کرنا چاہئے' یہی حال روزہ دار کے منہ کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بو دور بھی نہیں ہو سکتی' جب تک معدہ خالی ہے بو ضرور باقی رہے گی' بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دور ہو جائے اور منہ سے بو نہ پھیلے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام باتیں امت کو بتا دی

ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے' مگر مسواک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کریں گے اور خود آپؐ بھی کیا کرتے اور بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اس کے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے' لیکن آپؐ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں' اس وقت کرو۔ [1]

گفتگو' خاموشی' ہنسی' رونا:

آپ ﷺ ازحد فصیح اور شیریں بیان تھے' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کرکے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کر لیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دُہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

ہمیشہ خاموش رہتے' بلاضرورت کبھی نہ بولتے' جب بولتے تو منہ بھر کے بولتے' کٹے پٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے لفظ بولتے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے' جچے تلے الفاظ ہوتے تھے' مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بری معلوم ہوئی

---

[1] اس فصل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صفائی کا کتنا خیال تھا' اب مسلمان سوچیں کہ ان کی حالت کیا ہے' مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں' عوام سے زیادہ علماء کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہئے' طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دو لوٹے اوپر انڈیل لے بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کچیل اور بو سے پاکی ہے' جس کی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے' مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے' اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کتنے ہی میلے ہو جائیں' اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی نشاط و ہمت باقی نہیں۔ مسواک کا بیان اس فصل میں پڑھ چکے ہو۔ مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے' بہت سے اوپر اوپر مسواک کر لیتے ہیں' منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے' خصوصاً مساجد میں جبکہ صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہیں تو اس قدر بو پھیلتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے' کتنے مسلمان ہیں جن کے مکان اُن یہودیوں کے سے نہیں جن کے ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے؟ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اَحْوَالَنَا! (مترجم)

ہے۔ بدخلقی، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور وغل کا وہاں گزر نہ تھا۔ ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باچھیں کھل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپؐ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔ اسی طرح رونا بھی تھا دھاڑیں مارنا یا ہچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا، صرف آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے تھے، اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپؐ کا رونا کبھی میّت کے لئے ہوتا، کبھی اپنی امّت کے لئے، کبھی خشیت الٰہی سے، کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق، محبت، خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔ جب آپؐ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا۔ " **تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَىٰ رَبُّنَا وَإِنَّا بِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ** " (آنکھ روتی ہے، قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو، ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!) اسی طرح اپنی ایک صاجزادی کو حالت نزع میں دیکھ کر روئے، ایک مرتبہ عبد اللّٰہ بن مسعودؓ نے سورہ نساء سنائی اور جب آیت **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا** o پر پہنچے تو رقت طاری ہوگئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپ ﷺ نے **صلوٰة الكسوف** پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہوتی تھی اور رویا کرتے تھے۔

خطبہ:

آپؐ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر سے بھی اور اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ وغضب از حد بڑھ جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو للکار رہے ہیں۔ خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے:

" اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٍ وَّکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٍ "

(ترجمہ) سب سے بہتر گفتگو کتاب اللہ ہے، سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، سب سے بُری چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ہر خطبہ حمد و ثنا سے شروع کرتے تھے، رہا بہت سے فقہا کا یہ کہنا کہ خطبہ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہیئے، تو یہ دعوٰی بلا دلیل ہے، کیونکہ سنتِ نبوی ﷺ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبوی ﷺ اس کے سراسر خلاف ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے، مراسیل عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے "السلام علیکم" شعبی کا قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا صحیح مسلمؒ میں اُم ہشامؓ بنت حارثہ کی روایت ہے کہ سورہ "ق" میں نے خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن سن کے یاد کی ہے، کیونکہ آپؐ ہر جمعہ میں اُسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔ ابو داودؒ کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو یوں فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا۔ "[1]

خطبہ کا موضوع، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے اوصاف و کمالات کا بیان، اصول اسلام کی تعلیم،

---

[1] حمد اللہ کے لئے ہے جس سے ہم اعانت و مغفرت چاہتے اور اسی سے اپنے نفسوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت یاب کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے اُدھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا ایک بندہ اور رسولؐ ہے جسے اُس نے قرب قیامت پر بشارت دینے والا (حاشیہ جاری ہے)

حالات جنت' دوزخ کی تشریح تقویٰ الٰہی کی ہدایت اور خدا کی ناراضگی وخوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقعہ پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت و ضرورت کے مناسب ہوتے۔ آپ ﷺ نے کوئی خطبہ [1] نہیں دیا۔ جس میں شہادت کے دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمد ﷺ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا' کبھی مختصر' عید کے موقعوں پر عورتوں کے لئے علیحدہ خطبہ دیتے جس میں اُنہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کبھی کمان پر۔

نام:

الفاظ معانی کے قالب ہیں' اسم اور مسمی میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے' اسی لئے آپؐ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور برے نام رکھنے سے روکتے تھے' حدیث میں ہے کہ فرمایا "خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبداللّٰہ اور عبدالرّحمن ہیں، سب سے زیادہ درست: حارث (ماہر۔ یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع۔ سخی) ہیں' سب سے زیادہ مکروہ: حرب (جنگ) اور مرۃ (تلخ) ہیں' نیز فرمایا "اپنے غلام کا نام یسار (نرمی' کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) افلح (نہایت کامیاب) نہ رکھو' کیونکہ کبھی اُس کا نام لے کر پکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر نہ ہوا تو جواب ملے گا نہیں! اسی طرح آپؐ نے عاصیہ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ تو عاصیہ نہیں جمیلہ ہے۔ اس بارے میں اس قدر خیال تھا کہ حکم دے دیا تھا کہ آپؐ کے پاس ڈاک لانے والے

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی' ہدایت پائی' اور جو ان دونوں کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچائے گا' اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

[1] ہندوستان میں خطبہ جمعہ محض رسماً ہوتا ہے' اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا' خطیب اُسے قرآن کی طرح قرأت کے ساتھ اور گا گا کے پڑھتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں' بھلا ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ؟ پھر خود یہ مطبوعہ خطبے اعلیٰ مطالب سے خالی ہوتے ہیں اور بجز رقیق قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جس سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

خوبصورت اور اچھے نام کے لوگ ہوں۔ آپؐ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں' چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت "ابو الحسن" صہیبؓ کی "ابو یحیٰی" مقرر کر دی تھی۔

سلام:

صحیحین میں ہے کہ فرمایا "سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس و ناکس کو سلام کرے" صحیح بخاری میں ہے "تین باتیں جس کسی میں جمع ہو گئیں' ایمان جمع ہو گیا: اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا' سب کو سلام کرنا' تنگی میں خدا کے نام پر خرچ کرنا۔" ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزرے تو انہیں سلام کرنے میں پیش قدمی کی (مسلمؒ) اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے' چلنے والا بیٹھے ہوئے کو' سوار پیدل کو' تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو" آپ ﷺ کی سنت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے حدیث میں ہے "مجلس میں آؤ تو سلام کرو' جانے لگو تو سلام کرو' یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے" اور فرمایا "اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو" آپ ﷺ کا سلام "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تھا اور سلام کا جواب "وعلیک السلام"[1] ہمیشہ زبان سے جواب دیتے' ہاتھ یا انگلی کے اشارہ یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے' البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دے دیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے' آپ ﷺ نے اُن سب کو سلام کیا۔ جب

---

[1] یہ ایک کے لئے ورنہ جماعت کے لئے "وعلیکم السلام"۔

کوئی کسی دوسرے کا سلام آ کر پہنچاتا تو سلام کرنے والے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اُس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ توبہ کر لے جیسا کہ **کعبؓ بن مالک** اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ **حضرت زینبؓ** سے دو مہینہ ترک کلام کر دیا تھا کیونکہ آپؐ نے اُن سے فرمایا تھا کہ **حضرت صفیہؓ** کو اپنا اونٹ دیں مگر اُنہوں نے جواب سختی سے دیا' کہنے لگیں "ہاں میں اُس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دوں گی"! (ابو داؤد)۔

چھینک:

ابوداؤد میں **ابوھریرہ**ؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا "اونچی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی طرف سے ہے' اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے" ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے سامنے چھینک لی' آپ ﷺ نے قاعدہ کے مطابق "**یَرْحَمُکَ اللّٰہُ**" کہا' ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو **یَرْحَمُکَ اللّٰہُ** نہ کہا بلکہ فرمانے لگے "اِسے زکام ہے" حدیث صحیح میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے جب چھینک آئے تو "**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**" کہا کرو' دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو "**یَرْحَمُکَ اللّٰہُ**" کہو' رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا حتی الوسع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑ کے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے" (بخاری) نیز فرمایا "جب چھینک آئے تو "**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**" کہو' سننے والا "**یَرْحَمُکَ اللّٰہُ**" کہے' تم جواب میں "**یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ**" کہو (بخاری) **صحیح مسلم** میں ہے "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو' دعوت قبول کرو' نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو' چھینک لے کر "**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**" کہے تو "**یَرْحَمُکَ اللّٰہُ**" کہو' بیمار ہو جائے تو عیادت کرو' مر جائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ"۔

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی' اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بے خبری کے عالم میں ہوں' جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے' پھر کبھی فرماتے ''تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ما حضر پیش کر دیا جاتا۔ ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا ''جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو تاکہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل وعیال پر نازل ہو'' اور فرمایا ''جب آدمی گھر آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں' لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا' پھر اگر کھانے پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا'' (مسلم)

گھر میں آنے کے لئے اجازت چاہنا:

جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آجاتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے ''السلام علیکم'' حدیث میں ہے کہ فرمایا ''جب کسی کے گھر جاؤ تو اندر جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو' اگر مل جائے داخل ہو ورنہ واپس چلے آؤ' ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا آپؐ اٹھے اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا' پھر فرمایا ''اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔'' نیز فرمایا ''جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیّت ہے نہ قصاص''۔ ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا' آپؐ نے فرمایا کہو ''السلام علیکم'' کیا میں آؤں[1]؟''

---

[1] یہ سلام تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے' لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہوں تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں' اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے' گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

مرغوبات و مکروہات:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا ''جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے کہ اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں، اور اُس نے کہا ''مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ [1] '' تو اس پر بجز موت کے کوئی مصیبت نہ آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَلَوْ لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ [2] (جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا ''یہ اللہ کی مشیئت ہے اور بجز خدا کے ہاں کے کوئی طاقت نہیں'') حدیث میں ہے کہ ''رویائے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور برے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی بُرا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے۔ لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے''۔

---

[1] [2] سورہ کہف: 39

عبادات

وضو:

اکثر ہر نماز کے لئے الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک مُد[1] پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ثلث سے، امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے" وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام " ولہان" ہے، لہٰذا پانی کے وسوسوں سے بچو" وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔ اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے حصہ پر اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں کلّی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اس کے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں۔ کبھی کلّی اور استنشاق ایک ایک چلّو سے کرتے کبھی دو سے اور کبھی تین سے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دونوں ایک ہی چلّو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا کلّی میں لے لیتے اور آدھا ناک میں جیسا کہ صحیحین میں عبد اللہ بن زیدؓ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے اور سنکتے بائیں ہاتھ سے تھے۔ سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کے لئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے تو پیر دھوتے، ورنہ مسح کرتے تھے، سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسح کیا ہے، اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کے لیے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے

---

[1] مد قریباً ایک سیر کا وزن ہوتا ہے

اور مسافر کے لئے تین دن رات۔ آپ ﷺ نے خف پر بھی مسح کیا ہے' جرابوں پر بھی اور جوتوں [1] پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا' ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھولیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ داڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔ جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمہ شہادت پڑھتے' اس کے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔

امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا تھا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ اُنھوں نے ایک سفر میں وضو کرایا تھا۔ (صحیحین)

تیمّم:

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمّم کر لیتے تھے' دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمّم کرنا ثابت نہیں' امام احمدؒ کا قول ہے کہ جو کوئی تیمّم کہنیوں تک بتاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے۔ تیمّم ہر اُس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے' عام اس سے کہ مٹی ہو' چونا ہو' ریت ہو' فرمایا'' جہاں کہیں میری امّت کے آدمی کو نماز کا وقت آ جائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور اس کی طہارت کا سامان موجود ہے'' ہر نماز کے لئے تیمّم نہ کرتے اور نہ اس کا حکم ہی دیتے' بلکہ تیمّم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے [2]۔

---

[1] اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں' مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں' اتنے دبیز ہوں' پھٹے نہ ہوں۔ لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں یا اُون کے یا سوت کے سب پر مسح کیا جا سکتا ہے' اسی طرح جوتے پر بھی مسح کرنا جائز ہے' اس باب میں اصل مصلحت رفع تکلیف ہے' اگر جوتہ ایسا ہے جس کے پہننے اور اُتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے' اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے' اگرچہ سوتی ہوں' باریک ہوں' جابجا سے پھٹے ہوں' کیونکہ سنت نبوی ﷺ میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

[2] تیمّم' وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے اگر پانی میسر نہ ہو یا حالت مرض و سفر ہو' قرآن میں ہے۔ (حاشیہ جاری ہے)

نماز: [1]

جب نماز شروع کرتے تو صرف " اللّٰہ اکبر " کہتے، اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے، حتیٰ کہ نیت بھی زبان سے کچھ کہہ کر نہ کرتے مثلاً نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رخ ہو کر، یا مقتدی اور امام ہو کر، یا فرض نماز کی یا سنت کی، یا قضا کی یا ادا کی، غرض یہ کہ اس طرح کی کوئی بات نہ کہتے بلکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا، نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے بلکہ کسی صحابیؓ یا تابعی سے بھی مروی نہیں حتیٰ کہ ائمہ اربعہؒ میں سے بھی کسی نے اس کی تحسین نہیں کی۔ تکبیر کے لیے اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں تک اس طرح اُٹھاتے کہ انگلیاں پھیلی رہتیں پھر داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔ نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ ...الخ (النسآء: ٤٣)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اُس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو، اِلّا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر و اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔

[1] نماز کے فوائد بے شمار ہیں، اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، چستی و چالا کی آتی ہے، پابندیٔ اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے، نماز کی صفوں کا اتحاد دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد اور طاقت ور جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اس کے ذریعہ جماعت سے انس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور خدا میں ٹھوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ان میں غور و فکر کرتا ہے، اُٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگراں ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

اس کے قلب میں خشیت ومحبت الٰہی کی نشو ونما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اس کے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سپر بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ٥** (العنکبوت: 45)

اور نماز قائم کرو' یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں' جسم پاک ہوتے ہیں' لباس' جگہ اور ماحول کی صفائی رہتی ہے' لوگوں میں ہمت ونشاط پیدا ہوتی ہے' نیکی کی ترغیب' بدی سے نفرت' باہمی اتحاد' قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشو ونما غرضیکہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ (البقرة:47-46)

صبر اور نماز سے مدد لو' بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے' مگر اُن فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ بنابریں اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہوسکتا' لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ اس کے فوائد سے ناواقف اور موجودہ زمانے کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھ کر مایوس ہوگئے ہیں کہ جن کے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور؟ یہ لوگ تو اُن نمازیوں میں ہیں جن کی بابت قرآن کہتا ہے۔ **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ٥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ٥** (الماعون: 4-7)

پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں' جو ریا کاری کرتے ہیں' اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔

یہ لوگ نمازیں کیا پڑھتے ہیں' صرف ٹکریں لگاتے ہیں' نہ نماز کے معنی سمجھتے ہیں نہ اس کے ارکان کا مطلب جانتے ہیں' نہ قرآن میں کبھی غور وفکر کرتے ہیں' صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے فقہی شروط کی پابندی پیش نظر رہتی ہے' ظواہر سے سروکار رکھتے ہیں' مغز سے ناآشنا ہیں' جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ فوز وفلاح کی راہیں ان پر کھلتی ہیں' حالانکہ ان کی نماز اگر حقیقی نماز ہوتی تو دین ودنیا کی برکتوں کا موجب بنتی' قرآن میں ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٥ (المؤمنون:2-1)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ (حاشیہ جاری ہے)

نماز کے لئے متعدد معین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے' اور یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد آ کے اللہ کے حضور جھک جائیں تا کہ اعمال دنیا کی وجہ سے جو کثافتیں قلب پر آ گئی ہوں' ذکر الٰہی سے دور ہو جائیں اور قلوب پھر از سر نو تر و تازہ' پاک صاف اور ہر نیکی کو ذخیرہ کرنے کے لئے مستعد ہو جائیں بنابریں اوقات کی پابندی کے ساتھ نماز دن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں' حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دیئے ہیں بلکہ نماز کے اہم ارکان: قیام' قرأت' تسبیح و تقدیس' رکوع و سجود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ (النسآء:103)

نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

اور فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ○ (بنیٓ اسرآءیل :78)

نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور (قائم کرو) فجر کی نماز بھی بے شک نماز فجر (کے وقت) فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو، نیز فجر کے وقت کا قرآن (نماز) بھی' کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے'' (خدا کی طرف سے) اور فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○ (ھود:114)

اور دیکھو' نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں' یہ ایک یاد دہانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں اور فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ (النور :58)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' لازم ہے کہ تمہارے غلام' لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں' تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے' اور دوپہر کو جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو' اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں اور فرمایا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ (الروم:17-18)

(حاشیہ جاری ہے)

پس تسبیح کرو اللہ کی جب کہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے حمد ہے۔ اور (تسبیح کرو اس کی) تیسرے پہر جب کہ تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ اور فرمایا۔ **وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِ نْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ o**

:العصر (1-2) زمانے کی قسم' انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔ اور فرمایا۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى o (طٰهٰ: 130)

اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے' اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی' شائد کہ تم راضی ہو جاؤ اور فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج: 77)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' رکوع اور سجدہ کرو' اپنے رب کی بندگی کرو' اور نیک کام کرو' اِسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو اور فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ o (البقرہ :43)

نماز قائم کرو' زکوۃ دو' اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

اور فرمایا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ o (البقرۃ :238)

حفاظت کرو اپنی نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے حضور ادب و نیاز سے قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اس لئے نہیں بیان کی کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے' زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ سمجھانا کچھ مفید ہی ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا تا کہ اپنے عمل سے دنیا کی ہدایت کرے چنانچہ آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیے' امت نے اُسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید و مترجم)

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ....الخ "[1] کبھی کہتے "اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ٥ [2] کبھی کہتے "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذَالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ [3]: اصحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ "[4] (حضرت عمرؓ بھی آنحضرت ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے باآواز بلند کہتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اس کے بعد کہتے: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ " پھر" بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کہتے جو کبھی آواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے' ہر آیت پر ٹھہرتے' اور آخری حرف کو کھینچ کے پڑھتے' جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی تو "آمین" بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے' مقتدی آپ کی آمین سن کے خود بھی بلند آواز سے اس کا اعادہ کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں دو سکتے کرتے تھے' ایک تکبیر اولیٰ کے بعد اور دوسرا سورہ فاتحہ کے خاتمہ پر' پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر' لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے الا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آ جائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ نماز فجر میں قرأت اور سب نمازوں

---

[1] الٰہی میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی دوری کردے جتنی مشرق و مغرب کے مابین ہے۔(بخاری)

[2] میں نے اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کے اس ذات کی طرف کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے' پس میں مشرکوں میں سے نہیں۔(سورۃ الانعام)

[3] میری دعا' میری عبادت' میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں' اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔(سورۃ الانعام)

[4] تقدیس ہو خدایا تیری شکر ہو تیرے لئے بڑا ہوا نام تیرا' اور بلند ہوا مرتبہ تیرا' بجز تیرے کوئی معبود نہیں۔

سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر "الم السجد" اور "هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَان" عیدین اور کبھی جمعہ میں سورہ "ق" اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ اور اَلْغَاشِيَةُ پڑھتے تھے، یہ اس لئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات، خلق آدم، حالات جنت ودوزخ غرضیکہ متعدد مہتم بالشان مطالب آ گئے ہیں جن کا جمعہ اور عیدین جیسے مجمعوں میں دُہرانا زیادہ مناسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ابو داؤد میں عمرو بن شعیبؒ کی روایت ہے کہ مفصلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سنی ہو۔"

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، جب قرأت ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں، پھر ہاتھ اُٹھا کے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہوئے ہیں، دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پشت بالکل سیدھی رہتی تھی، سر نہ بہت اُٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" کہتے اور کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے: "سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ" رکوع و سجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" کہہ سکے اصحاب سننؒ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمر بن عبد العزیزؒ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے "اس نوجوان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے اس قدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی" راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمر بن عبد العزیزؒ کے رکوع وسجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے" جب رکوع ختم ہو جاتا تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہتے ہوئے سر اُٹھاتے، نیز رفع یدین کرتے، رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ تقریباً

تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں' پھر اس کے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں [1]۔ رکوع سے اُٹھ کر جب پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" اور کبھی کہتے "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ" اس میں "وَلَکَ الْحَمْدُ" واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔ یہ قیام بھی اتنا ہی دراز تھا جتنا رکوع و سجود' اثنائے قیام میں یہ دعا پڑھتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہ' اَللّٰھُمَّ رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ مَلْءُ السَّمٰوٰتِ وَمَلْءُ الْاَرْضِ وَمَلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدَ اَھْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَایَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ" نیز یہ دعا بھی ثابت ہے: اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّنِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ." دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے' سجدہ کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے پھر ہاتھ' پھر پیشانی اور ناک' یہی طریقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں' وائلؓ بن حجر کی حدیث میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ پہلے گھٹنے ٹیکتے' پھر ہاتھ رکھتے' اور جب اُٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اُٹھاتے اور گھٹنے اس کے بعد" سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے' ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے' صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا "جب سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اُٹھائے رہو" سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی' دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی

---

[1] رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے' نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا' لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت و کثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں نہیں کرتے؟ جب اللہ کے رسولؐ پابندی سے رفع یدین کیا کرتے تھے تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

طرف ہوتے ہتھیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے، انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ، لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے سجدہ میں کہتے: سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَ عْلٰی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ " اور فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَآ اَحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ " اور فرماتے " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَ جَھْلِیْ وَاِسْرَافَ اَمْرِیْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْ لِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ " سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑگڑا کر مانگو' جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجود بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اُسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے اُٹھتے' پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے' داہنا پیر کھڑا رہتا' ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں' پنجے گھٹنوں پر ہوتے' دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ بنا کر انگشت شہادت اُٹھاتے' ہلاتے اور دعا کرتے' وائل بن حجرؓ کی روایت اسی طرح پر ہے۔ دونوں سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ "[1] پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اُٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا' زمین پر ہاتھ ٹیک کے اُٹھنے کی عادت نہ تھی۔

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأت شروع کر دیتے' دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی' جب التحیات کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر

---

[1] خدایا میری مغفرت کر' مجھ پر رحم کر' میری مدد کر' مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے' اُسے خم کرتے' حرکت دیتے' چھنگلیا اور اس کے بعد کی انگلی باہر نکلی رہتی' اس پر نظر جما دیتے' آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں' اس موقعہ پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد' صحیحین میں ہے کہ: ''جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے' لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے' لیکن بایاں پاؤں اس مرتبہ اس کے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے''۔ اس نشست میں یہ دعا پڑھتے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' اس تشہد کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ باقی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت نہ پڑھتے۔ چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التّحیّات میں کلمہ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے' قبر اور دوزخ کے عذاب' موت وحیات اور مسیح الدجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے' پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' امام احمدؒ کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے' آنکھیں بند نہ کرتے تھے' نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی' صرف التّحیّات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کی دلی مسرت نماز میں تھی' بلالؓ سے کہا کرتے تھے'' بلال نماز کے لئے اذان دے کر ہمیں تسکین دو''

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کے ارادہ سے نیت باندھتے' مگر درمیان میں بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے' مبادا صف میں اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہؓ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اُٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ

جب کھڑے ہوتے انہیں اُٹھا لیتے' اور جب رکوع و سجود میں جانے لگتے تو اُتار کے زمین پر بٹھا دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کھیلتے کھیلتے آ جاتے آپ ﷺ سجدہ میں ہوتے' وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے' اُن کے گرنے کے ڈر سے آپ ﷺ سجدہ دراز کر دیتے۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کے لئے بھیجا' پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے مگر برابر اُس گھاٹی کی طرف پھر پھر کے دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا' یہ حضور قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں' دروازہ بند ہوتا' آپؐ نماز پڑھتے ہوتے' اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپؐ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دیتے۔ صحیح مسلم میں جابر کی روایت ہے "مجھے آنحضرت ﷺ نے ایک کام پر بھیجا' میں واپس آیا تو آپؐ نماز میں مشغول تھے' میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دے دیا۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے' بیہقی میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبشہ سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تھے' میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا"

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات حجرہ میں نماز پڑھتے' حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں' آپؐ سجدہ میں جانے لگتے تو اُن کے پہلو میں انگلی مارتے' وہ پیر سمیٹ لیتیں' اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے' رکوع بھی اُسی پر کرتے' صرف سجدہ کے لئے نیچے اُتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے' دیوار سامنے تھی' ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی' آپؐ اُسے برابر روکتے ٹالتے اور پھسلاتے رہے' یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے

نکل گئی۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپؐ نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کے الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھکار دیتے اور میں اندر آجاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دے دیتے۔ (احمد ونسائی) کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے کبھی جوتا پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لیے جوتا پہن کے نماز پڑھو۔[1] مصیبت کے وقت نماز میں دعاء قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کے لئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بددعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے، امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں دعاء قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، کے بعد دعا شروع کرتے تھے، جس میں بنی سُلیم کے ایک قبیلہ کو بددعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے، ابوداؤد وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اس طرح کی قنوت کرتے تھے، ورنہ دائمی طور پر جو دعائے قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد وثنا مقصود ہوتی تھی۔

---

[1] فقہا نے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منجملہ ان کے ایک قصداً کھکارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتا پہن کے نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے جوتا پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالتصریح موجود ہے (بلکہ بعض ائمہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جوتہ پہن کے نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ مترجم) حتیٰ کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو) زینت سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے بعض لوگ جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتے میں وقت بوقت نجاست لگتی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتا پاک ہو (حاشیہ جاری ہے)

سجدہ سہو:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا ''میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں' بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو' اگر کبھی بھولوں تو یاد دلاؤ'' آپ ﷺ کئی بار نماز میں بھولے ہیں اور سجدہ سہو کیا ہے جس کی صورتیں مختلف تھیں' کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی اس کے بعد صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے۔ حدیث میں ہے کہ سجدہ سہو کی صورت یہ تھی کہ سلام کے پہلے بیٹھے بیٹھے با آواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجدے کرتے (متفق علیہ) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا' پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے' لیکن جب معلوم ہوا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ ایک دن نماز میں ایک رکعت رہ گئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے، حضرت طلحہؓ نے بڑھ کر یاد دلایا تو لوٹے' بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا' پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمدؒ) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے' سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سہو کے دو سجدے کر لئے (متفق علیہ) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعت پڑھ گئے' گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا' فوراً مسجد واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی' سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے' اور پھر دوباہ سلام پھیرا۔ یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ ﷺ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے'' جب مسجد میں آؤ تو اُلٹا کے جوتا دیکھ لو' اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پہن کر نماز پڑھو'' (ابوداؤدؒ' احمدؒ) دوسری حدیث میں ہے'' اگر جوتے میں نجاست لگ جائے تو اُس کے لئے مٹی طہارت ہے'' (ابوداؤد) ابوزید۔ (لوگوں کو حیرت ہو گی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود ہیں تو علما ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن یہ حیرت بالکل بجا ہے کیونکہ کتنے ''عالم'' ہیں جنھوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے! لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل عالم ہونے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتابیں پڑھ لی جائیں)۔ (مترجم)

نماز کے بعد:

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ"۔ یہ الفاظ قبلہ رخ کہتے تھے' پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبداللّٰہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بار ہا بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ داہنے پہلو سے مڑتے تھے (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسرں کو محروم رکھتے۔ ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے تھے:

" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْیءٍ قَدِیْرٌ . [1] "

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ابوحاتمؒ کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ جَعَلْتَہٗ عِصْمَۃَ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ جَعَلْتَ فِیْھَا مَعَاشِیْ ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ نَقَمَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَایَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ " [2]

حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو: "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ [3] "

---

[1] بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں' اسی کی بادشاہی ہے' اسی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

[2] خدایا میرے لئے میرا دین درست کر دے کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے' اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے' کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے' خدایا' میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے دامن میں پناہ لیتا ہوں تیرے انتقام سے تیرے عفو و رحم کا بچاؤ ڈھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں' جو تو دے اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں' تیرے مقابلہ میں رتبہ والے کا رتبہ کام نہیں آسکتا۔

[3] خدایا' اپنے ذکر' شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔

نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے' اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد' شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے' یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہئے۔

سترہ (آڑ):

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کے قریب ہی رہتے' اگر کسی لکڑی' ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اُسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے' میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سنن و نوافل:

اگر مقیم ہوتے تو شب و روز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے' بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد' دو مغرب کے بعد دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آ کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے (صحیحین)۔ سنت نبوی ﷺ فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے' لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا' سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آ جائے' حدیث میں ہے کہ فرمایا" لوگو' نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔"

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتی کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں' ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر اور وتر کی اس قدر پابندی اس لیے کرتے تھے کہ سنت فجر بمنزلۂ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلۂ خاتمہ عمل کے' یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے' اسی وجہ سے آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں

سورہ اخلاص اور قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے' جو نہایت جامع سورتیں ہیں سورۂ اخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے' ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اللہ تعالیٰ کے بے نیاز ہونے کا اثبات ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اس کی ذات اعلیٰ واشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرا کرنے والی ہے' ولد والد کی نفی ہے جو لوازم صمدیت واحدیت میں سے ہے۔ کفو نظیر کی نفی ہے جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے' غرضیکہ سورۃ اخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آ گئے ہیں جن کے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحّد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں' توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے' کیونکہ جس طرح باوجود علم کے انسان اکثر مضر عمل کرتا ہے اسی طرح توحید عملی واعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے' بنابریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اُکھاڑ پھینکی جائیں' چنانچہ سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ میں یہی بات صاف کر دی گئی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اولین و آخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے' نیز طواف کے نفلوں اور حج میں ان کی تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ شب میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی' ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ موذن فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر رکعتیں پڑھتے' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنت کے طور پر نہ تھا' بلکہ رات کو آپؐ تھک جاتے تھے اس لئے ذرا آرام لینے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اس لئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی آپؐ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اس لئے دائیں

کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہو جائے۔ صحیحین میں قاسمؒ بن محمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رات میں آپؐ دس رکعتیں پڑھتے تھے' پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے' اس کے بعد فجر کے وقت دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت با آواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ سے۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے' لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفر میں نفل نمازیں سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے' اس حالت میں قبلہ رُخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رُخ ہوتا' اُسی طرف نماز پڑھتے' رکوع اور سجود اشارہ سے کرتے تھے سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ خم ہوتے تھے۔ احمدؒ ابوداوٗدؒ کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اس کا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیّت باندھتے' پھر لگامیں ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے' اسی نماز کو بعض لوگوں نے "صَلاۃُالضُّحٰی" کا نام دے دیا ہے کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپؐ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صَلاۃُالضُّحٰی قرار دینا غلطی ہے' کیونکہ آپؐ نے ہمیشہ اس کی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثار صحابہؓ سے ثابت ہے۔

سجدۂ شکر اور سجدۂ قرآن:

مسرّت کے موقعہ پر سجدہ کرتے' مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے جیسا کہ مسند میں ابن ابی بکرہؓ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گر پڑے۔

جب تلاوت میں آیت سجدہ آ جاتی تو تکبیر کہتے ہوئے [1] سجدہ کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ، وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ " [2] یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اُٹھتے ہوتے کبھی تکبیر کہی ہو، یا اُس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

جمعہ:

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمرو بن عوف ؓ کے ہاں دوشنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کے لئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آ گیا، چنانچہ اُس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے، یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبوی ؐ کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا، ابن اسحاق ؒ کی روایت ہے کہ اس موقعہ کے خطبہ میں علاوہ حمد وثنا کے آپ ﷺ نے فرمایا:
اَمَّابَعْدُ اَيُّهَا النَّاسُ قَدِّمُوْالِاَ نْفُسِكُمْ وَاللّٰهِ لَيُصْعَقَنَّ اَحَدُكُمْ لَيَدْعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهُ رَاعٍ ثُمَّ لَيَدْعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهُ رَاعٍ ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ لَهُ رَبُّهُ لَيْسَ لَهُ تَرْجِمَانٌ وَّ لَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُوْنَهُ اَلَمْ يَاْتِكَ رَسُوْلٌ فَبَلَّغَكَ وَاٰتَيْتُكَ مَالًا وَفَضَّلْتُ عَلَيْكَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ ، فَلْيَنْظُرَنَّ يَمِيْناً وَّشِمَالًا فَلَا يَرٰى شَيْئًا ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهُ فَلَا يَرٰى غَيْرَ جَهَنَّمَ ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّتَّقِيَ بِوَجْهِهٖ

---

[1] لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابت ؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۃ نجم سنائی، مگر آپ ؐ نے سجدہ نہیں کیا (اخرجه الخمسه) صحابہ ؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیسا کہ سجدۃ نحل میں حضرت عمر ؓ کا واقعہ مروی ہے اور جیسا کہ بخاری و مالک کی روایت میں ہے۔ (ابوزید)

[2] میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اُسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی، اور اپنی قدرت وطاقت سے اس میں سماعت و بصارت پیدا کی۔

مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ ، وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ فَاِنَّهَا تَجْزِی الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضَعْفٍ وَّالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ " [1]

سنت نبوی ؐ یہ تھی کہ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے' اس کے فجر میں سورہ الم السجدہ اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا' اگر میسّر ہو تو خوشبو لگائی۔ اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا' پھر سکون ووقار کے ساتھ چل کر مسجد آئے ' تَحِيَّةُ الْمَسْجِدِ ادا کی' اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی' امام کا خطبہ توجہ سے سُنا' پھر نماز پڑھی' تو اس کی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اس کے حق میں کفارہ ہوگی''۔ سنن میں ہے کہ فرمایا'' کیا نقصان ہے اگر قدرت رکھتے ہو کہ روز کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے ایک لباس بنالو '' [2]

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو برآمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جبّے ہوتے' سادگی سے تشریف لاتے' سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلال ؓ اُٹھتے اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ ؐ فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے' اس وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنت نماز نہیں' رہا یہ خیال کہ بلال ؓ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنت نبوی ﷺ سے جہالت پر مبنی ہے۔

---

[1] لوگو، اپنے لئے توشہ تیار کرو' نجانے تم سے کوئی اچانک مرجائے گا: اپنا گلہ بان چھوڑ جائے گا' پھر اس کا پروردگار بغیر کسی ترجمان اور حاجب کے اس سے فرمائے گا: کیا میرے رسولؐ نے آکر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا' کیا میں نے تجھے مال ومتاع نہیں دیا تھا؟ پس بتا تو اپنے لیے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھے گا مگر کچھ نظر نہ آئے گا' پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو بجز جہنم کے کچھ نہ دکھائی دے گا! پس جو شخص آدھی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچے' پس وہ دے۔ پس جو یہ نہ پائے پس وہ اچھی بات سے کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے' والسلام۔

[2] بہت سے لوگ میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے (حاشیہ جاری ہے)

اس طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ آپؐ تلوار پر ٹیک دے کے خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے۔ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے، حتی کہ یہ بھی منقول نہیں کہ آپؐ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں، البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دے کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں ہے۔

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جن کی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ دوران خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپؐ خطبہ دے رہے تھے، نظر پڑ گئی، تو اُسے مخاطب کر کے فرمانے لگے "تحیة المسجد ادا کرو"، اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آ رہا تھا، آپؐ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو "آؤ بیٹھو" اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیتے تھے۔ دوران خطبہ میں جب خدا کا ذکر آ جاتا یا دعا فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو کر بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سنیں، حدیث میں ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن آ کے شور کیا، اُس کا جمعہ نہیں ہوا"۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اُس کی مثال اُس گدھے کی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے "خاموش" اس کا جمعہ نہیں"

حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہیے کہ کوئی اسے دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا "جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اسے نہیں چاہیے کہ ہمیں تکلیف دے بلکہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے!" (ابوزید) اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے جس کا لوگ خیال نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جن کی بو اگرچہ خود انہیں اچھی معلوم ہوتی ہے مگر مجلس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس بو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ لہذا نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اس چیز کا تعلق ہر انسان کے دماغ سے ہے۔ ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ دھوتے نہیں، بلکہ تیل کو مل لیتے ہیں یا کاغذ سے پونچھ لیتے ہیں جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں جن کی پابندی لازمی ہے۔ (مترجم)

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو بلالؓ اقامت کہتے' آپ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ "جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر آ کے دو رکعت سنت پڑھتے تھے"۔

عیدین:

عیدین کی نماز اُس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے ان دونوں تقریبوں پر بہتر لباس زیب تن کرتے تھے۔ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے تھے۔ عیدالضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔ عید الفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عیدالضحیٰ میں جلدی کرتے تھے۔ جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی' اس کے لئے نہ تو اذان دی جاتی تھی نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ "الصلاۃ جامعة" وغیرہ الفاظ پکارے جاتے تھے۔

یہ نماز دو رکعت ہوتی تھی' پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت میں کیا فرماتے تھے؟ کچھ ثابت نہیں' لیکن عبد اللّٰه ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد وثنا اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورہ فاتحہ پھر "قٓ ، وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ" پڑھتے تھے' کبھی اس کے بجائے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے اور رکوع وسجود کرتے۔ سجدہ سے جب اُٹھ کر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو مسلسل پانچ تکبیریں کہتے' پھر سورہ فاتحہ اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" پڑھتے، کبھی اس کی جگہ "هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونوں رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے

تھے۔ ترمذی نے کثیر بن عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاریؒ (صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے "اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے' اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔"

جب نماز ختم ہوتی تو اُٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے' پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابرؓ کی روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی' بلا اذان و اقامت کے نماز شروع کی' پھر فارغ ہو کر بلالؓ پر ٹیک لگا کے کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب تھی' پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی" (متفق علیہ) عیدین کے خطبہ عید میں تکبیریں زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپؐ کے مؤذن سعدؓ کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے' خطبہ ہمیشہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی سے شروع کرتے تھے۔ خطبہ عید کے موقعہ پر آپؐ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سنے گھر چلے جانے کی بھی اجازت دی ہے، نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپؐ عید کی نماز سے پہلے یا پیچھے سنت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تا کہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔ ہمیشہ کی سنت تھی کہ عید الضحٰی کے موقعہ پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے آخر ایام تشریق (13 ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰـہِ الْحَمْدُ"

صلوٰۃ کسوف:

ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی' پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک طویل سورت با آواز بلند پڑھی' پھر طویل رکوع کیا' پھر اُٹھے تو دیر تک وقوف کیا اور "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ" کہا' پھر دوبارہ قرأت شروع کر دی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی' پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا' پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اس کے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع' دو سجدے اور دو مرتبہ قرأت کی۔ پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں: "اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ ' فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَادْعُوا اللّٰہَ وَکَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اِنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ یُؤْتِیْ اَحَدُکُمْ فَیُقَالُ لَہٗ مَا عِلْمُکَ بِھٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِالْمُوْقِنُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جَاءَ بِالْبَیِّنَاتِ وَالْھُدٰی فَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا ، فَیُقَالُ لَہٗ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا اِنْ کُنْتَ لَمُؤْمِنًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِالْمُرْتَابُ فَیَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا فَقُلْتُہٗ [1]" صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ نے صلوٰۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اُس دن جب آپ کے لڑکے ابراہیمؑ کی وفات واقع ہوئی۔

---

[1] سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے گہن میں نہیں پڑتیں (یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپؐ کا صاحبزادہ "ابراہیم" فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گہن اس کے مرنے کی وجہ سے پڑا ہے' آپؐ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کر دی) جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو' تکبیر کہو' نماز پڑھو' صدقہ دو' مجھ پر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تمہارا امتحان ہوگا' تم سے پوچھا جائے گا "اس شخص کے بارے میں تیرا علم کیا ہے"؟ مومن جواب دے گا "محمد رسول اللہؐ ہیں' ہدایت اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے' ہم نے ان کی تصدیق اور پیروی کی" اس پر کہا جائے گا "خیریت سے سو جا' ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مومن ہے" لیکن منافق اپنے سوال کے جواب میں کہے گا "اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں' میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہی خود بھی کہنے لگا" (یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے) (حاشیہ جاری ہے)

صلوٰۃ استسقاء : [1]

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کے لئے دعا کی "اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا" (خدایا ہمیں بچا، ہمیں پانی دے ہمیں پانی دے) دوسری مرتبہ خاص استسقاء کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے' خطبہ دیا جس میں ہاتھ اُٹھا کے نہایت تضرّع و زاری کے ساتھ دعا کی' پھر صلوٰۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت و اذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأت با آواز بلند کی پہلی میں فاتحہ کے بعد "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی" پڑھی' دوسری میں "ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ"۔ تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔ چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لئے ہاتھ اُٹھا کے دعا کی۔

سفر:

نبوت کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں: ایک مرتبہ ہجرت کے لئے' بار ہا جہاد کے لئے' ایک مرتبہ عمرہ اور ایک مرتبہ حج کیلئے۔ جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اُسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ دن کے اول حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 105) اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا اس نازک وقت میں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے' مسلمان کے لئے روا نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے ہو لے' خدا کے ہاں وہی ایمان و عمل معتبر ہے جو علم و یقین کے ساتھ ہو' تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی)۔

[1] پانی برسنے کے لئے نماز اور دعا۔

کہ خدا امت محمدؐ کے لئے اُن کے سفر میں برکت دے! مسافروں کے بارے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دوران سفر میں سردار بنالیں، تن تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ جب سفر کے لئے اُٹھتے تو دعا کرتے اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ تَوَجَّھْتُ وَ بِکَ اِعْتَصَمْتُ ، اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَا لَآ اَھْتَمُّ بِہٖ ، اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِیَ التَّقْوٰی ، وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ [1] "جب سواری حاضر کی جاتی تو رکاب پر پیر رکھتے ہوئے " بِسْمِ اللّٰہِ " کہتے اور جب اُس پر جم کے بیٹھ جاتے تو فرماتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ [2]" نیز فرماتے " اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرِنَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ [3]"

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نماز کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو" رہا وہ اختلاف جو حضرت عائشہؓ سے اس بات میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ باطل ہے کیونکہ اُمّ المومنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہ اور تمام صحابہؓ سے اختلاف کریں، خصوصاً جبکہ خود ہی فرماتی ہیں: "شروع میں نماز دو دو رکعت ہی فرض تھی، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر رہی" (متفق علیہ) ابن عباسؓ کا قول ہے: "صلوٰۃ سفر دو رکعت، عیدین دو دو رکعت، جمعہ دو رکعت، پوری پوری نماز بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمد ﷺ کی زبانی فرض ہوئیں، جو کوئی

---

[1] الٰہی تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھی سے میری مضبوطی ہے، الٰہی جس کی مجھے فکر ہو اور جس کی نہ ہو ان سب سے بچا، الٰہی توشہ میں تقویٰ دے، میرے گناہ معاف کر، اور جدھر بھی میں جاؤں نیکی کے لئے مجھے لے جا۔ (حاشیہ جاری ہے)

افترا کرے اس کے لئے ہلاکت ہے" حالانکہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہؐ اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بے خوف ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا" یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے دین میں سہولت ہے اُسے قبول کرو" جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ منزل پر اُترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے۔ غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے اگر سفر سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ عصر کے لئے اُترتے تو دونوں ایک ساتھ ملا لیتے' یہی طریقہ مغرب وعشاء میں بھی تھا۔

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کے لئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی' بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا ہے' تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں' اُن میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔ باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں' صرف عرفہ میں آپؐ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اس لئے کہ دعا میں مسلسل کھڑے رہتے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سننا:

ایک حزب مقرر تھی جسے ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے' قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" سے شروع کرتے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے تھے عام اس سے کہ کھڑے ہوں بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 107) ۲؎ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کر دیا' ورنہ خود ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۳؎ خدایا ہمارا سفر آسان اور اس کی دوری کم کر دے' خدایا تو ہی سفر میں رفیق اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔

ہوں۔قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے ''قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو اور جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں اور فرمایا ''خدا نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گا کے پڑھتا ہے'' (یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبیؐ کا قرآن سنتا ہے)۔

دوسروں سے قرآن سننا زیادہ پسند کرتے تھے' ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعودؓ کو قرآن سنانے کا حکم دیا' اُنہوں نے پڑھا، آپؐ پر رقت طاری ہوگئی یہاں تک کہ آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ایک رات ابو موسیٰ اشعریؓ کا قرآن سنا، صبح انہیں اس کی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا'' [1]۔

عیادت:

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ایک یہودی لڑکا آپ کی خدمت کیا کرتا تھا' بیمار ہو گیا تو عیادت کو تشریف لے گئے' اور دعوت اسلام پیش کی' اُس نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔آپؐ کے چچا ابو طالب مشرک تھے ان کی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اُس کے سرہانے کی طرف بیٹھتے' حال پوچھتے' صحت کی دعا کرتے' روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دے دیتے۔

---

[1] تلاوت قرآن اور تغنی بالقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کے قلب پر اثر ہو' بہت سے ''ترتیل'' اور ''تغنی'' سے یہ مطلب سمجھے ہیں کہ حلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں برتے جائیں' ہندوستان میں عربی لہجہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حروف حلقی کو غیر طبعی طریقہ سے ادا کرنے اور بتصنع قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں، جس کے سننے سے کبھی ہنسی آتی ہے کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی مسکین ''قاری'' پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فن تجوید سیکھتے' یا اس طرح توڑ مروڑ کر قرآن پڑھنے کے بجائے سادگی سے پڑھتے۔سادگی ہر حال میں مستحسن ہے۔(مترجم)

جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ" (کچھ ڈر نہیں، انشاء اللہ گناہوں سے پاکی ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے تو فرماتے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"

کفن، دفن، جنازہ:

آخر وقت میں بیمار کو خدا اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمہ شہادت کہلاؤ تا کہ اس کی آخری گفتگو یہی ہو۔ جب موت واقع ہو جاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرح منہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور دھاڑیں مار مار کے رونے سے منع کرتے۔ رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپؐ سے ثابت ہے، آپؐ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے: "تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا" (آنکھ روتی ہے، دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہیں گے وہی جس سے پروردگار راضی ہو) سنت نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے، اِنَّا لِلّٰهِ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے، چہرہ اور جسم چھپا دیتے، مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے، مردہ کو خدا کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اُسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور سفید کپڑے میں کفناتے، پھر نماز جنازہ پڑھتے۔ شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے "کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔" البتہ چمڑے اور لوہے کی چیزیں اس سے علیحدہ کرا دیتے، پھر اُسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اُسے سپرد خاک کر دیتے۔ محرم (حج میں) اگر مر جاتا تو اُسے پانی اور بیری کی پتوں سے غسل دینے، احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے، اور اُس کا سر ڈھکنے کا حکم دیتے مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کے زیادہ قیمتی ہونے سے منع کیا ہے، خود اُس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپؐ کے صحابہؓ کو کفن بھی پورا بھی نصیب نہ ہوتا تھا، اگر سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کے لئے

سنت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیتے [1]۔
جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الّا یہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میّت مقروض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو خود جنازہ میں شریک نہ ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دے دیتے' یہ اس لئے کہ آپؐ کی نماز درحقیقت مردہ کے لئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی' مردہ بغیر اس کے کہ اس کا قرض ادا ہو' جنت میں نہیں جا سکتا' پھر آپؐ اس کی شفاعت کیونکر کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مالی حالت درست کر دی تو آپؐ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے میّت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے' اور اس کا مال وارثوں کو دے دیتے تھے۔
جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے' حمد و ثنا الٰہی کرتے اور میّت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلمؒ کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ' چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے' یہ تمام احادیث و آثار صحیح ہیں اس لئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جا سکتی ہیں' ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔
ابن عباسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ باآواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا "یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت ہے۔"

---

[1] اللہ' اللہ! رسولؐ کے صحابیؓ اس طرح دفن ہوں' اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے حالانکہ زندہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح مردوں سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں مگر اُن پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم برباد ہے مگر مقبرے آباد ہیں' مسجدیں ویران ہیں' تعلیم گاہیں مفقود ہیں اور جو ہیں سسک رہی ہیں' مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا اُلٹ رہا ہے' کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے خدا بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سدھرتی' اگر صرف دس سال کے لئے مسلمان' عرس اور نیاز فاتحہ بند کر دیں' اس کے مصارف قومی کاموں میں دے دیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت باقی نہ رہے۔ لیکن یہ آواز سنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے! (مترجم)

ابو امامہؓ بن سہل کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔
صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہئے۔
نماز جنازہ سے مقصود میّت کے لئے دعا کرنا ہے' بعض دعائیں آپؐ سے مروی ہیں'
مثلاً "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ
وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
وَعَذَابِ النَّارِ[1]" نیز یہ دعا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّافَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ
وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّافَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ"
[2] نیز یہ دعا "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ
قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَتَعْلَمُ سِرَّهَا وَعَلَانِيَتَهَا جِئْنَا شُفَعَآءَ فَاغْفِرْ لَهَا[3]'
سنت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے' اس کے لئے کسی
خاص وقت کی قید نہ تھی' جب موقعہ مل جاتا نماز پڑھ آتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے'
تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اس کے سر کے پاس
کھڑے ہوتے' اگر عورت تو کمر کے پاس۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے "اپنے
بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خیمہ ہوں گے" (ابن ماجہ) خودکشی
کرنے والے اور مال غنیمت چرانے والے پر نماز نہ پڑھتے تھے۔
جب نماز جنازہ پڑھ چکتے تو مقبرہ تک اُس کے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے' حکم دیا ہے کہ
سوار میّت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے' پیچھے' دائیں' بائیں' جدھر چاہیں
چلیں۔ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا آج کل لوگوں کا رینگ

---

[1] خدایا اس کی مغفرت کر' اس پر رحم کر' اسے بچا' معاف کر' اس کا اترنا اچھا کر' اس کا دروازہ کشادہ کر' اسے پانی' برف اور یخ میں غسل دے' جنت میں داخل کر' قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

[2] خدایا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے' اسلام اور سنت پر زندہ رکھ' اور جسے موت دے' ایمان پر دے' خدایا اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر' اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔ (حاشیہ جاری ہے)

رینگ کے خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابو بکرؓ تو ایسے لوگوں کو درے لگاتے اور فرماتے تھے۔ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جنازہ تیز تیز لے جاتے تھے''۔

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری' چوڑی اور برابر ہوتی تھی' قبر کا اونچا بنانا یا پختہ' خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبویؐ میں نہ تھا بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے' عمارت بنانے کتبہ لگانے سے منع کیا ہے' سنت یہ تھی کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوتی' اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

میّت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے '' بِسۡمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ'' طلوع وغروب اور بیچ دوپہر کے اوقات میں دفن نہ کرتے تھے' دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میّت کے قبر میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرماتے۔ آج کل کی طرح قبر کے پاس میّت کی تلقین یا قرآن خوانی کے لئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا' رہی طبرانی کی ابی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے میّت کی تلقین کا حکم دیا ہے' تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

میّت کے عزیز و اقارب سے تعزیت فرماتے تھے اس کے لئے نہ تو مجلسیں کرتے نہ قرآن خوانی کے لئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میّت والوں پر کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے اُن کے ہاں بھیج دیں۔

زیارت قبور:

جب قبورِ صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو اُن کے حق میں دعا کرتے' اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے' یہی وہ زیارت قبور ہے جو امت کے لئے مشروع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے ''اَلسَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الدِّيَارِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمِيۡنَ وَاِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمۡ لَاحِقُوۡنَ نَسۡاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الۡعَافِيَةَ''

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 112) [3] الٰہی تو ہی اس کا رب ہے' تو ہی نے اسے پیدا کیا' تو ہی نے اس کی اسلام کی طرف رہنمائی کی' اور اب تو ہی نے اس کی روح قبض کر لی' تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے' ہم شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں' اسے بخش دے۔

(اے دیار مومنین و مسلمین کے رہنے والو تم پر سلام ہو' ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں' اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں) سنت نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے' انہیں روندنا' ان پر بیٹھنا یا اُن سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے' انہیں مسجد قرار دینا' ان کے پاس یا ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا' عرس کرنا' لوگوں کا ان کے گرد جمع ہونا' روشنی کرنا' یہ سب باتیں ناروا ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت[1] کی ہے۔

---

[1] لیکن آج کل کیا ہو رہا ہے' پوری قبر پرستی جاری ہے' قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں' جن میں نقرئی وطلائی دروازے لگائے ہوئے ہیں' سنگ مرمر کا فرش ہے' قیمتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں' مسلمان ان کے گرد طواف اور رکوع وسجود و قیام میں مصروف ہیں' منتیں مانی جاتی ہیں' دعائیں کی جاتی ہیں اور خدا سے زیادہ اصحاب قبور پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل شق ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیان علم وتصوف کا طرز عمل ہے' یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض ومنفعت کے لئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں' جھوٹی اور موضوع حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور مکر وفریب سے کام لے کر عوام کو اسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں' اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت وضلالت پر معترض ہوتا ہے تو اُسے 'وہابی' 'نیچری' 'دہری' طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں' حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض حقیر دنیا پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں' اور اسلام کی توہین وتنزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی' مسلمانوں کی عبرت کے لئے درج کرتا ہوں' واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یوپی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر عرس کی تمام رسمیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف وسجود دیکھ کر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا ''لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے' لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے' کیونکہ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں' ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے ہمارے رام' لچھمن' کرشن اور مہادیو ہیں' اور مسلمانوں کے...... پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا' صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا!!!'' یہ اس نیک دل ہندو کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھ کر اُسے ہوا' ۔مسلمانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ تعجب ہے کہ انسان' خدا کو حاضر وناظر' سمیع وبصیر' حی و قدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کرنے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں خدا سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں' کیا یہ بزرگ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں' کیا خدا معاذ اللہ تمہارے ظاہر وباطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اُسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت وخودداری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتے! مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں' مگر جب تک تم یہ کفر وشرک وہم پرستی نہ چھوڑ دو گے اُس وقت تک خوشحالی وسرخروئی سے دوچار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں' سینکڑوں برس قبر پرستی کا تجربہ کر چکے اور بجز دن دونی رات چوگنی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا' کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی تجربہ کر لو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدر اوّل) کامیاب ہو چکے ہو اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری افسانہ خوان ہے!(مترجم)

صدقہ وزکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے' سونے چاندی' مال تجارت اور چوپائے جانوروں (اونٹ' گائے بیل' بھیڑ بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ' کھیتی اور پھلوں میں تیاری کے وقت' سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں' بلکہ صاحب مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اس کا حساب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دفینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے جو کھیتی یا باغ بلا آبپاشی کی محنت کے تیار ہو اُس میں دسواں حصہ ہے' لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اس میں بیسواں حصہ ہے' ایسا مال جس کی ترقی کے لئے لگاتار محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ ہے۔ ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا ہے جس سے کم پر زکوٰۃ نہیں' چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۷ تولہ) ہے' چاندی کا دوسو درہم (۵۲ تولہ) غلہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من)' بھیڑ بکری میں چالیس راس' گائے میں تیس' اونٹ میں پانچ۔ صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے: فقیر' محتاج' زکوٰۃ کے محصّل' نومسلم جن کی تالیف قلب مقصود ہو' غلام (غلامی سے آزاد ہونے کے لئے) قرضدار' مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافر۔ سنت نبویؐ یہ تھی کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی' اگر کچھ بچ رہتی تو منگوا کر دوسری جگہ کے لوگوں کو بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اُسے خود دے دیتے' اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دے دیتے (مالدار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کے لئے زکوٰۃ نہیں ہے)۔

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اُسے دعا دیتے' کبھی فرماتے: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِ وَ فِيْ اِبِلِهِ" (خدایا اسے اور اس کے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ" (خدایا اس پر تیری صلوٰۃ ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کے نہ لیتے' صرف درمیانی درجہ کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔ صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے سے منع کرتے۔

مالدار کے لئے بھی اجازت تھی کہ اُس صدقہ سے فائدہ اُٹھائے جو غریب کو دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کردے، چنانچہ بریرہ ؓ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا، اُس نے خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپ ؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور کہا "بریرہ ؓ کے لئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اُس کی طرف سے "تحفہ" کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کاموں کے لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت عباس ؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

تحصیلدار صرف اُن لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے ہاں دولت محسوس ہوتی مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں کتنی کھجور ہوگی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں تاکہ آفات سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو، تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرّف کرتے تھے اور آخر میں آکر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبد اللہ بن رواحہ ؓ کو ان کے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کے لئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے "حرام کا لالچ دلاتے ہو! بخدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوروں سے بھی ادنیٰ ہو، لیکن اُس انسان کامل کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دے گی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کروں گا" اس پر وہ لوگ کہتے "ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں"

صدقہ فطر:

صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے' اپنی طرف سے اور اُن لوگوں کی طرف سے جن کی کفالت کرتا ہے۔ اس کی مقدار چھوارے' خشک انگور' پنیر یا جو سے ایک صاع [1] ہے' امام احمدؒ ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ گیہوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔ سنت نبویؐ یہ تھی کہ نمازِ عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے' حدیث میں ہے: ''نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہٗ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات'' **صحیحین** میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے'' ان دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں' اس کے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے' پس جس طرح نماز کے بعد صدقہ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی ہے۔ عہد نبویؐ میں صدقہ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔

خیرات:

جود و سخا میں حضور اقدس تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے' کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم' چیز دے کر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔ سخاوت کے مختلف طریقے تھے' کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے' کسی کو صدقہ کے طور پر' کسی کو ہدیہ کہہ کر' بارہا یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت سے زیادہ دے دیتے یا چیز اور قیمت دونوں بخش دیتے' قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

---

[1] صاع کا وزن قریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

روزہ:

روزہ سے مقصود، محبوبات نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔ روزہ کے فوائد و اثرات عجیب و غریب ہیں وہ ظاہری و باطنی قوت کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دور کرتا اور ردّی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے روزہ، قلب اور دیگر اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنا بریں روزہ کو روحانیات میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے اور تقوٰی و طہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ "(مسلمانو! روزہ تم پر بھی اس طرح فرض کیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقوٰی حاصل کرو۔) حدیث میں ہے:" اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ " (روزہ ڈھال ہے) رسول خدا ﷺ اُن لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور فرماتے روزہ اس خواہش کو دبا دیتا ہے۔

چونکہ محبوبات و لذائذ کا ترک کرنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، ۲ھ میں اس کی فرضیت نازل ہوئی جبکہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے اُنس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیائے فانی میں رہے اور نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

بوڑھوں اور کمزور عورتوں کو اجازت ہے کہ اگر روزہ رکھ نہ سکیں تو افطار کریں اور اس کے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے کہ

روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں' حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچے کے لئے مضرت کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں' کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ صرف قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تندرست آدمی کی ہے جو روزہ نہیں رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھلانا بھی واجب ہے۔[1]

جب دو شاہد آ کر ہلال عید کے دیکھنے کی شہادت دے دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا ہوتا تو فوراً روزہ افطار کر دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے۔ روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے' عموماً کھجور سے کھولتے' اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے' ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے! افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے: "اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ" (خداوندا تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا) بعض حدیثوں میں ہے کہ اُس وقت فرماتے: ذَھَبَ الظَّمَآءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ" (ابوداؤد)

(پیاس چلی گئی' رگ پٹھے تر ہو گئے' اور ثواب انشاءاللہ قائم ہو گیا)

---

[1] حاملہ اور دودھ پلاتے والی عورتوں کے متعلق ابن قیمؒ کا یہ قول غیر واضح ہے' عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہے جن کے لئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلانا) دینا کافی ہے' کیونکہ حمل و رضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہے گا اور عورت کو قضا کی مہلت ہی کہاں ملے گی؟ قرآن سے بھی مترشح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے' ایک تو مریض و مسافر ہیں جو قضا کریں گے فدیہ نہ دیں گے۔
دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے لئے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے' اُن کے لئے صرف فدیہ ہے' قضا نہیں۔ قرآن میں ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه' فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط (جو تم میں بیمار ہو یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے، اور جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں' وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں) حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی اسی گروہ میں داخل ہیں جیسا کہ امام احمدؒ و اصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حامل و مرضع پر روزہ کا بار نہیں رکھا نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی مل سکتا۔ شیخ محمد عبدہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے نزدیک اُن مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے مثل کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اس کا محتمل ہے' لیکن اس میں وہ (حاشیہ جاری ہے)

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آ گیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا' صحابہؓ کو بھی اجازت دے دی تھی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو افطار کرنے کا حتمی حکم دے دیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا' پہلا موقعہ بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔ سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اُس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعیین مسافت کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ہے [1]۔

صحابہؓ جس وقت سفر شروع کرتے روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنت نبویؐ ہے جیسا کہ عبید بن جبیرؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابو دائود و احمدؒ)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 119) عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی اس کمزوری کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت یہ بھی ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ" (روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے' وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم اُن کے لئے' خدا نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے' پس معاف کر دیا تمہیں' اب ملا کرو اُن سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے' پھر پورا کرو رات تک روزہ کو۔ (ابوزید)

[1] قرآن میں ہے: اَوْ عَلٰى سَفَرٍ" (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق "سفر فرمایا ہے' یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اُتنے میل' ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں' کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں' شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے' حالانکہ مسافت بہت کم تھی' اتنی کم کہ اُس مسافت کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابوزید)

اور جیسا کہ محمدؒ بن کعبؓ کی روایت میں ہے ''میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کے لئے بالکل تیار تھے' جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا' میں نے پوچھا یہ سنت ہے؟ فرمانے لگے ہاں' یہی سنت ہے'' (ترمذی)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مقاربت فرماتے' صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔ روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ استنشاق (ناک میں پانی لینا) سے منع فرمایا ہے' فصد کھلوانا ثابت نہیں' لیکن سرمہ لگانا مروی ہے۔ اگر کوئی بھولے سے کھا پی لیتا تو اُسے نہ تو روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا' بلکہ بھول چوک کو معاف کر دیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ نیکی کے کام کرتے' قرآن کی تلاوت و مزاولت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

نفلی روزہ:

نفلی روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑیں گے' اور کبھی چھوڑ دیتے تو ایسا لگتا کہ اب نہ رکھیں گے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے' تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے' اس کے لئے عموماً دوشنبہ اور پنج شنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب' شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنت ہے حالانکہ سنت نہیں رجب کے روزے آپؐ نے کبھی نہیں رکھے نہ پسند فرمائے' بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں مذکور ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی' انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے' اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا' موسیٰ (علیہ السلام) بھی یہ روزہ رکھتے

تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں ۔ ارشاد فرمایا ''تو ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں'' چنانچہ عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔ اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے ''کچھ کھانے کو ہے؟'' اگر جواب ملتا ''نہیں'' تو فرماتے ''میں روزہ رکھے لیتا ہوں'' کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے' پھر کچھ سوچتے اور افطار کر ڈالتے' اس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے' ایک حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری نسائی نے۔

اعتکاف:

آپؐ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے' ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا اور تنہائی میں رب العزت کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا' اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے' حتی کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ جاتے' لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں کر دیتے، وہ باوجود ایام سے ہونے کے اسے دھوتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے اُن سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے' واپسی پر ان کی مشائعت بھی کرتے تھے۔

حج[1] و عمرہ[2]:

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرہ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے تھے۔ آپؐ نے جتنے

---

[1] حج کی تین صورتیں ہیں: قِران ' تمتع ' اِفراد ۔ ''قِران'' وہ ہے جس میں حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اُس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جب تک تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ (حاشیہ جاری ہے)

عمرے کیے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کیے' یہ ثابت نہیں کہ مکہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کے لئے باہر گئے ہوں جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔ ہجرت کے بعد صرف ۱۰ھ میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ ۹ھ سے پہلے وہ فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ آیت "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو) ۶ھ میں نازل ہوئی' لیکن جیسا کہ صرف ظاہر ہے اس سے فرضیت حج ثابت نہیں ہوتی' اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیت کرلو تو اسے پورا کرو۔

جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا' روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اس کے احکام بالتفصیل بیان فرمائے' ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی' پھر اندر تشریف لے گئے' تیل ڈالا' کنگھی کی' تہ بند باندھی' چادر اوڑھی اور ۶۔ ذی القعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام "ذوالحلیفہ" میں ہوئی' نماز عصر کا قصر کیا' رات بھر یہیں رہے' ایک ایک کر کے تمام ازواج کے ہاں گئے' پھر غسل کیا' خوشبو لگائی' چادر اور تہ بند کا احرام باندھا' ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلّی پر سے ہی حج و عمرہ کے لئے باآواز بلند لبیک کہا (یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کے لئے کوئی نماز پڑھی ہو)۔ جو اس طرح ثابت ہے: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ [1]" یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیسا کہ آج کل بہت لوگ کرتے ہیں۔

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 122) "تمتع" وہ ہے جس میں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔ مکے میں آ کر ارکان عمرہ ادا کیے جاتے ہیں اور احرام اُتار دیا جاتا ہے' پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کے لئے از سرِ نو احرام باندھا جاتا ہے افراد وہ ہے جس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے' پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] عمرہ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ' سعی مابین صفا و مروا' سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرانا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں آ کر ان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں یعنی اس کے لئے خوشبو لگانا اور مباشرت کرنا سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ (مترجم)

[1] خداوندا' میں حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں' میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں' ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں' حکومت بھی تیری ہے تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کے ہاں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے' ان کی ماں کا نام اسماءؓ تھا ولادت کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام روحاء میں پہنچ گئے' یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفتہً پیش کیا' آپؐ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے' آپؐ نے فرمایا ''وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں' صرف طواف نہ کرنا'' مکہ پہنچے تو حکم دیا جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں' وہ صرف عمرہ پر اکتفا کریں: طواف کریں' صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اُتار دیں۔ اس پر سراقہ ابن مالکؓ نے دریافت کیا: یہ حکم صرف اِسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ فرمایا ''ہمیشہ کے لئے'' اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوںؓ نے روایت کیا ہے جن کی احادیث نہایت صحیح ہیں' انہیں میں ایک حدیث ہے کہ فرمایا: ''اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اُتار دیتا' مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا'' صحابہ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸۔ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیّت سے احرام باندھا۔

مکّہ میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی جوش سے فرمانے لگے: ''اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَاالْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَتَعْظِیْماً وَتَکْرِیْماً وَ مَھَابَةً'' [1] (طبرانی) مسجد میں آئے تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیّۃ المسجد ادا کی کیونکہ مسجد الحرام کی تحیّۃ طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اُسے چھوا مگر اس کے لئے نہ کشا کشی کی' نہ پورے جسم سے اس کے

---

[1] اے خدا اس گھر کی بزرگی' عزت' حرمت اور عظمت اور زیادہ کر۔

پاس کھڑے ہوئے، نہ رکن یمانی کی طرف رخ کیا، نہ ہاتھ اُٹھائے، نہ طواف کے لئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کے کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سا رخ کیا، اُسے چھوا، اور اپنے داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان) کے مابین پہنچے تو فرمایا:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [1] :(البقرۃ :201)

طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا، باقی میں جھومنا موقوف کر دیا مگر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلتے رہے چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کے کندھے پر ڈال لیا تھا، جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھل گیا تھا۔ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اُس کی طرف اشارہ کرتے، ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اُسے مس کرتے اور پھر لکڑی کا بوسہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی کو بھی چھوتے تھے مگر اس کا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اور جب حجر اسود کے سامنے آتے تو کہتے: " اَللّٰهُ اَكْبَرُ"

طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط" (البقرۃ: 145) اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔ پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے، جب قریب پہنچے تو آیت " اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ: (البقرہ: 158) یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے

---

[1] اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

ہیں۔ پڑھ کے فرمایا جس سے خدا نے ابتدا کی ہے اُسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ صفا پر چڑھ گئے' جب کعبہ نظر آیا تو کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ [1]" پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے۔ مروہ پر بھی چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہی۔ پھر صفا کی طرف لوٹے یہاں تک کہ سعی کے سات دور پورے ہو گئے۔ لیکن طواف کے برخلاف اس میں جھوم کر نہیں چلے۔

سعی کے بعد اُن تمام لوگوں کو جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے پھر ہدایت کی کہ اب احرام اُتار دیں کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے' خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا' عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

مکہ میں جب تک مقیم رہے' نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے اور قصر کرتے رہے۔ پنج شنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہوئے' راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنہوں نے عمرہ کے بعد اُتار دیا تھا۔ منیٰ پہنچ کر ظہر وعصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہؓ میں سے بعض لبیک کہتے تھے اور بعض تکبیر' آپ ﷺ دونوں کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

---

[1] بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں' اسی کی حکومت ہے اُسی کے لئے ستائش ہے' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں' اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔

جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ دیا [1] اور کھڑے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی' حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہل مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر و جمع کیا' آپ ﷺ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا اور نہ جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے کیونکہ یہ حدیث اس موقعہ کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقعہ کی ہے۔

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر تضرّع و زاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ ﷺ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اُٹھے ہوئے تھے

---

[1] حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے متعدد خطبے دیئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحاق حسب ذیل ہے:

" اَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ فَاِنِّيْ لَآ اَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَآ اَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا بِهٰذَا الْمَوْقِفِ اَبَدًا. اَيُّهَا النَّاسُ، اِنَّ دِمَآءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَاِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْاَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ وَقَدْ بَلَّغْتُ فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَآ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَهٗ عَلَيْهَا وَاَنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ وَلٰكِنْ لَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ قَضَى اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا رِبَا وَاَنَّ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مَوْضُوْعٌ" كُلُّهٗ وَاَنَّ كُلَّ دَمٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَنَّ اَوَّلَ دِمَآئِكُمْ اَضَعُ دَمَ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ لَيْثٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ) فَهُوَ اَوَّلُ مَآ اَبْدَاُ بِهٖ مِنْ دِمَآءِ الْجَاهِلِيَّةِ. اَمَّا بَعْدُ اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ اَنْ يُّعْبَدَ بِاَرْضِكُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَّلٰكِنَّهٗ اَنْ يُّطَعْ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَقَدْ رَضِيَ بِهٖ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ .... اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا وَاِنَّكُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ فَاعْقِلُوْا اَيُّهَا

النَّاسُ قَوْلِي فَإِنِّي قَدْ بَلَّغْتُ . وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوْا " كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ " أَيُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِي وَاعْقِلُوْهُ تَعْلَمُنَّ اَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ فَلاَ يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِّنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَآ اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ فَلا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ...... النَّاسُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ".

ترجمہ: لوگو، میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ ''لوگو، تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غصب) قیامت تک کے لئے اسی طرح حرام ہے۔

جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ میں نے تمہیں جتا دیا۔ پس جس کسی کے پاس امانت ہو اس کے مالک تک پہنچا دے۔ ہر قسم کا سود باطل ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو، سود چھوڑ دو، اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسرں پر ظلم کرو گے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں، عباسؓ بن عبدالمطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب (آپؐ کے بھتیجے کا خون ہے)، جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے میں ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو، شیطان مایوس ہوگیا ہے۔ اور اب امید نہیں رہی کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں پوجا جائے لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو، اگر انہیں میں اس کی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہے گا، پس اس کے مکر سے بچو۔ لوگو، تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھروں میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، نیز کوئی کھلی ہوئی برائی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو، مگر بہت سختی سے نہیں۔ اور جب باز آ جائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ۔ عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو، وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں، تم نے اللہ کی ضمانت پر انہیں لیا اور اللہ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، اے لوگو، میری بات خوب سمجھ لو، میں نے اچھی طرح جتا دیا۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ لوگو، میری بات سنو اور خوب سمجھ و جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، پس مسلمان کے لئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے برضا و رغبت دے دیا ہے، ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو، کیا میں نے پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں پہنچا دیا اس پر فرمایا ''خداوندا تو گواہ رہیو''۔ کہ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا ''تم اپنی نماز پوری کر لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے، آپؐ اُن سے فرماتے کہ پکار کے کہو ''لوگو، رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟'' ۔لوگ جواب دیتے ''یہ ماہ حرام ہے'' آپؐ فرماتے کہو ''خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے!'' پھر فرماتے کہو ''لوگو، رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا مقام ہے؟'' لوگ جواب دیتے یہ بلدالحرم ہے'' آپؐ فرماتے کہو '' خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے!'' پھر فرماتے کہو ''لوگو، رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟'' لوگ جواب دیتے ''یوم الحج الاکبر'' فرماتے کہو ''خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!'' مسلمان جواب دیں کیا، اپنے نبیؐ کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مترجم)

گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعا یہ تھی: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ ' اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصُّدُوْرِ شَتَّابِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا تَجِیْٓءُ بِهِ الرِّیْحُ [1]" (ترمذی)

یہی آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا: (المآئدہ: 3) ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اسی موقعہ پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کے مر گیا تو حکم دیا کہ بیری کے پتے اور پانی میں نہلایا جائے' اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے' خوشبو نہ لگائی جائے' سر اور چہرہ بھی نہ ڈھکا جائے۔

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے اسامۃ بن زید ؓ سوار تھے۔ آپ ؐ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے "لوگو' وقار سے چلو' نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے" درمیانی رفتار سے مسلسل لبیک کہتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں فوراً وضو کیا، بلال کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اُتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اُتر چکے تو عشاء کے لئے صرف اقامت کہلائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے' اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ کمزور عورتوں اور بچوں کو طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے

---

[1] خداوندا' تیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خداوندا' میری نماز' عبادت' جینا' مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے' تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے اور تو ہی میرا وارث ہے۔ خداوندا' قبر کے عذاب' دل کے وسوسہ اور معاملات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدایا ہر قسم سے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

پہلے کنکریاں نہ ماریں (ترمذی وغیرہ)
نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے' مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا و انابت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباس ؓ کو پیچھے بٹھا کر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے' یہیں راستہ میں حضرت ابن عباس ؓ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لئے سات کنکریاں چن دیں' جنہیں مٹھی میں لے کر پھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے "ایسی ہی کنکریاں پھینکو' دین میں غلو مت کرو' کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا" اسی راستہ میں بنی خشعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا' آپ ؐ نے جواب دیا کہ تو اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر فضل بن عباس ؓ جو خود بھی حسین تھے اُسے گھور رہے تھے اور اُس کی نگاہیں اِن کی طرف تھیں' آپ ؐ نے دونوں جوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے آڑ کر دی [1]!

جب وادی محسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی' آپ ؐ کا طریقہ یہی تھا یہ کہ جب اُن مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکل جاتے۔ یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔ منیٰ پہنچے تو زوال کے بعد جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے' اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں' ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے' اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ اُسامہ ؓ اور بلال ؓ ساتھ تھے' ایک اونٹنی کی مہار تھامے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑا تانے کھڑا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کے لئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

رمی الجمار کے بعد پھر قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمت و عظمت اور مکہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے

---

[1] اخلاق نبوی ؐ تھا' اگر ہمارے ہاں کے یہ متکشف لوگ ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے!

ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اس کی اطاعت کرو اور مناسک حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیّت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو! اور فرمایا: ''دوسرں پر ظلم کرنے والا خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، لوگو، اپنے رب کی عبادت کرو' اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو' اپنے رمضان کے روزے رکھو' جو تمہیں حکم دیا جائے اس کی اطاعت کرو' اور ان سب کے عوض اپنے رب کی جنت لو'' اسی موقعہ پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کہی جس کی مناسبت سے اس حج کا نام ہی '' حَجَّةُ الْوِدَاع '' پڑ گیا۔ پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے ۶۳ اونٹ دست مبارک سے ذبح کئے' کل سو اونٹ ہمراہ لائے تھے' باقی کے ذبح کرنے کا حضرت علیؓ کو حکم دے دیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو خیرات کر دو' قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا' اس کی مزدوری ہم اپنے پاس سے دیں گے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا' اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: حَجَّةُ الْوِدَاع میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے (جن کی تعداد نو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔ منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے' صحابہؓ میں سے اکثر نے سر منڈا دیا اور بعض نے کتروانے پر اکتفا کیا۔ ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی ''طواف الافاضہ [1]'' کیا، پھر زمزم پر آئے تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں فرمانے لگے ''اگر ڈر نہ ہوتا کہ مخلوق تم پر ہجوم کر دے گی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا' انہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا اور آپؐ نے کھڑے

---

[1] اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کے لئے وہ سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کے لئے جائز ہیں۔

کھڑے پی لیا۔ اس کے بعد پھر منیٰ تشریف لے گئے اور رات وہیں بسر کی۔ صبح ہوئی تو زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے اور جمرہ اولیٰ سے شروع کر کے تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب سات پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اُٹھا کے دعا کرتے، لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں کی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس آگئے۔ یہیں منیٰ میں یوم النحر کے دوسرے دن پھر خطبہ دیا۔ اسی موقعہ پر سورۂ اِذَا جَآءَ نازل ہوئی جس سے آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ بس سفر آخرت قریب ہے، لوگوں کو بھی اشارۃً اس کی اطلاع دے دی تھی جیسا کہ بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ منیٰ میں کل تین دن مقیم رہے یہاں تک کہ جب ایام تشریق ختم ہو گئے اور رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کو ظہر کے بعد کوچ کر دیا۔ مکہ آئے تو رات کو پچھلے پہر طواف الوداع کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے ایام شروع ہیں، آپ ﷺ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمانے لگے "تو کیا تم ہمیں رُکنے پر مجبور کر دو گی"۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں تو مدینہ روانہ ہو گئے۔

ایام منیٰ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی کہ مکہ ہی میں رات گزارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت اُنہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتربانوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔ مدینہ کے راستہ میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ فرمایا "ہاں اس کا حج ہو گیا اور تجھے ثواب ملا"

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گزاری صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ"[1]

---

[1] اللہ واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اسی کی حکومت ہے، اُسی کے لئے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹے آ رہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، عبادت کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رب کی حمد کر رہے ہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا شکست دے دی۔

قربانی اور عقیقہ:

قربانی صرف اُن آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر سورہ الانعام میں موجود ہے' ان کے علاوہ اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔ وہ آٹھوں قسمیں قرآن کی ان چار آیتوں میں مذکور ہیں (۱) اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ" (۲)"وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ" (۳) وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ" [۱]

وہ ذبیحے جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے' تین ہیں: ہدی' قربانی' عقیقہ۔ آنحضرت ﷺ نے بھیڑ' اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدی کیا ہے۔

---

[۱] خدا نے چار پایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اُٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ خدا نے یہ چار پائے نر و مادہ آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو نر و مادہ اور بکری میں سے دو نر و مادہ۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے بھیڑ بکری کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادیوں کو' یا اس بچہ کو جو دو مادیوں کے پیٹ میں ہے' اگر سچے ہو تو سند پیش کرو۔ اونٹوں میں سے نر و مادہ دو اور گائے کی قسم میں سے نر و مادہ دو۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے اونٹ گائے کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادنیوں کو یا اُس بچہ کو جو ان دو مادنیوں کے پیٹ میں ہے۔ مسلمانو، حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا یہ ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوپایہ کعبہ تک ہدی بنائے۔

ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لے جانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اُس پر سوار ہو سکتا ہے۔ امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔

ابوداؤد میں ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور فرمایا ''ثوبان، اس بکری کا گوشت ٹھیک کر لو'' وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضورؐ کے سامنے پیش کرتا رہا۔

قربانی

آپؐ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے' نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اُس کی قربانی نہیں ہوئی'' قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عید گاہ میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربان کی جا سکتی ہے' عطاء ابن یسارؓ کہتے ہیں میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسول اللہؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا جس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ (ترمذی)

عقیقہ

مؤطا کی روایت ہے کہ ''صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں'' جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے'' نیز فرمایا: ''ہر بچہ کے ذمہ اس کے عقیقہ کی قربانی ہے' لہٰذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے' اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے'' خود آپؐ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی

طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔ حضرت ابو رافع ؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ ؐ نے حضرت حسن ؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

اذان:

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع' نیز اقامت میں تکرار اور افراد دونوں ثابت ہیں' بجز (اقامت میں) لفظ قد قامت الصلوۃ کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا' نیز اذان میں تکبیر ''اللّٰہ اکبر'' کہ جس کا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے عبداللّٰہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہد نبویؐ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے۔ بجز قد قامت الصلوۃ کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں' کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض' بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران میں اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟

اس کے بارے میں پانچ طریقے مروی ہیں: (۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جن کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہئیے۔ (۲) یہ کہا جائے: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا [1]"(۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر وہ درود بھیجے جو آپ ؐ نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی لفاظیاں کریں۔ (۴) درود کے بعد کہے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادِ' ترجمہ: اے اللہ! اس دعوت کامل اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے' بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا'' جو شخص یہ دعا مانگتا ہے وہ

---

[1] میں اللہ کو رب بنانے' اسلام کو بطور دین قبول کرنے اور محمدؐ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا حقدار ہو جاتا ہے۔(۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضل الٰہی کا ملتمس ہو کیونکہ اذان کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، صحابہؓ نے عرض کی تو کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا ''دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو'' یہ بھی مروی ہے کہ '' قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ '' سن کر فرمایا کرتے تھے '' اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا ''

جہاد:

جہاد کی چار قسمیں ہیں: (۱) جہاد نفس۔(۲) جہاد شیطان۔(۳) جہاد کفار (۴) جہاد منافقین۔

(۱)۔ جہاد نفس کے چار درجے ہیں: نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا جس کے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے اور نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کے لئے نفس پر جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم و دعوت حق میں مصروف ہونا ورنہ صاحب حق اُن بدبختوں میں گنا جائے گا جو اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں انہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہاد نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کر لئے ''ربانی'' ہو گیا!

(۲) جہاد شیطان کے دو درجے ہیں: شیطان ایمان کے اندر شکوک و شبہات پیدا کیا کرتا ہے' اس معرکہ میں اس سے دست و گریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوئی ہے' اُن کے رد کرنے میں جدو جہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی ''یقین'' پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ ''صبر'' لاتی ہے: وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ'' اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت و قیادت صرف ''صبر'' اور ''یقین'' کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے' صبر شہوات و ارادات فاسدہ کو رفع کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

(۳) جہاد (۴) منافقین و کفار کے بھی چار درجے ہیں: قلب سے' زبان سے' مال سے' جان سے۔ حدیث میں ہے: ''جو کوئی جہاد کے بغیر یا کم از کم اس کی تمنا کئے بغیر مر جائے' اُس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی'' جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت و جہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمت الٰہی کے امیدوار اور قربِ خداوندی کے لئے بے قرار ہوتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جہاد نفس اور جہاد شیطان فرض عین ہے' کوئی فرد بشر بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ جہاد کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ' اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا' لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

خدا کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اُترے' پھر کمال کے بھی درجے ہیں' بعض معمولی ہیں' بعض بلند ہیں' بعض بلند تر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپؐ تمام انسانوں سے افضل و اشرف تھے۔ آپؐ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے' چنانچہ جوں ہی آیت ''یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o'' (مدثر -2-1) نازل ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمان خداوندی پہنچا' فی الفور اُٹھ کھڑے ہوئے اور دعوت حق دینے لگے جو شروع شروع خفیہ تھی لیکن جب آیت ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' (94-14) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلان حق کرنے لگے۔ کفار نے جب دیکھا کہ اُن کے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہؐ اور پیروان اسلام کو سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسکین دی کہ گھبرانے

اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں' تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے' جھٹلائے گئے اور گونا گون مصائب میں مبتلا کئے گئے: "مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ [1]" (فصلت-43) اور فرمایا "كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ○ أَتَوَاصَوْا بِهِ ج بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ○ (الذاريات: 53,52) [2]" نیز مسلمانوں کی دلداری کے لئے فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ط أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ○ (البقرہ: 214) [3] اور فرمایا "الٓمٓ ○ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ○ (العنکبوت: 3,2,1) [4]"

رسول خدا اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلتے اور وعدہ الٰہی کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ تھا۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے۔ باہم نفرت وعداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے۔

ٹھہر جاؤ' عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے' ہم اُس کی پیروی کریں گے اور اُس کے زیر علم تمہیں عاد و ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کریں گے!" اوس و خزرج باقی قبائل

---

[1] تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔

[2] اسی طرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا انہوں نے اُسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون الخ۔

[3] کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک اگلوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب و آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے' یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومنین چیخ اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ ہاں' اللہ کی نصرت قریب ہے۔

[4] کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ادعائے ایمان پر چھوڑ دیئے جائیں گے؟ حالانکہ جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو ہم نے امتحان میں ڈالا۔ البتہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کے رہے گا۔

عرب کی طرح سالانہ حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے ایک سال رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے "ہو نہ ہو یہی وہ نبیؐ ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں' ایسا نہ ہو انہیں خبر ہو جائے' ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں" اس طرح ان مدنیوں کی خدا نے اسلام کی طرف رہنمائی کی' وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپؐ کی امداد واعانت پر کمر بستہ رہیں گے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

مدینہ پہنچ کر مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ قائم کیا' پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں بنو قینقاع' بنو النضیر' بنو قریظہ سے امن وصلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی' جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا' نتیجہ یہ ہُوا کہ ذلیل وخوار ہوئے۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا' بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔

غزوات

غزوۂ بدر: [1]

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقیہ بچ نکلا تھا۔اب اس کی واپسی کی خبر دی تو آپ ؐ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لے کر روانہ ہو گئے جو سب کے سب پیدل تھے' سوار کوئی بھی نہ تھا صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔جب مقام صفراء میں پہنچے تو دو جاسوس خبریں لانے کو بھیجے۔اُدھر ابوسفیان کو بھی آنحضرت کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اُس نے ضمضم بن الغفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔انہوں نے جوں ہی یہ سُنا اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے' سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آکر شامل نہ ہو گیا ہو' صرف ایک ابولہب نہ جا سکا اور اُس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیج دیا' صرف یہی نہیں بلکہ گردو پیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی' بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بڑے کرّ وفر کے ساتھ چلے۔

آنحضرت ﷺ کو جب قریش کے اس ساز و سامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہؓ کے سامنے صورت حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔مہاجرین نے نہایت دل خوش کن جواب دیا مگر انصار چپ رہے۔آپؐ نے پھر پوچھا تو مہاجر بول اُٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔چنانچہ

---

[1] غزوات بالخصوص غزوۂ بدر کی بحث سیرۃ نبوی ﷺ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہئے (مترجم)

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے کہ: "رسول اللہؐ گویا آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے" اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت وحمایت کا وعدہ کیا تھا اب معاملہ مدینہ کے باہر درپیش تھا۔ **سعد** رضی اللہ عنہ نے کہا: "شاید آپؐ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار مدینہ کے باہر آپؐ کی حمایت واطاعت ضروری نہیں سمجھتے' لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپؐ جہاں جی چاہے جائیں' جس سے چاہے ملیں' جس سے چاہے لڑیں' جتنا چاہیں ہمیں دیں' جتنا چاہیں ہم سے لے لیں اور جو چاہیں ہمیں حکم دیں ہر حال ہم تابع فرمان ہیں اور آپؐ کے ساتھ ہیں' آپؐ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ گئی ہے' ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ بخدا اگر ہمیں سمندر میں گھس جانے کا اشارہ کر دیں گے تو بھی ہم ہچکچائیں گے نہیں' سیدھے گھستے چلے جائیں گے!" اس موقعہ پر **حضرت مقداد** رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب کہا تھا: "یارسول اللہؐ' ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝" (جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں' آگے پیچھے لڑیں گے اور بے پروائی سے سرفروشی کریں گے!" رسول اللہؐ نے یہ ہمّت افزا جواب سنے تو مسرت سے چہرہ مبارک روشن ہوگیا اور فرمانے لگے: "مسلمانو، چلو، تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان یا لشکر قریش) ایک گروہ کے دے دینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے' میں دشمنوں کی بُریدہ سر لاشیں دیکھ رہا ہوں!"

اِدھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے' اُدھر **ابو سفیان** رضی اللہ عنہ ساحل کی راہ سے ہوکر خطرہ سے بچ نکلا تھا، جب اسے پوری طرح اطمینان ہوگیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کارروان بالکل بچ گیا ہے۔ **جحفه** میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور اُنہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کرلیا' مگر ابوجہل مانع ہوا اور کہنے لگا بخدا ہم بدر تک تو ضرور جائیں گے' وہاں اُتریں گے' آرام کریں گے' عربوں کو خوب کھانے کھلائیں گے

تا کہ ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ اخنس بن شریق نے ابوجہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر مع اپنے قبیلے کے لوٹ گیا۔ بنی ہاشم نے بھی واپسی کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابوجہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے! دوسری طرف رسول اللہ ﷺ برابر پیش قدمی کرتے چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کہاں اُترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اُترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائیں گے، پانی پر قبضہ کر لیں گے اور قرب و جوار کے کنویں بند کر دیں گے۔ قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آ رہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپؐ نے حضرت علیؓ اور زبیرؓ کو حالات کی جستجو کے لئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔ آپؐ نے اُن سے دریافت کیا قریش کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فرمایا ''اچھا، روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر فرمانے لگے ''ان کی تعداد نوسو اور ہزار کے درمیان ہے''

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائیدِ غیبی سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی، مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے۔ جس سے موسم خوشگوار ہو گیا، مجاہدین سے غبارِ سفر دور ہو گیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آ گئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہو گئی کہ تیزی سے سفر ہو سکے۔ لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے اُن کے کوچ میں سخت دقت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مسلمان اُن سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ

کرلیا اور باقی کنوئیں بند کر دیئے ۔اس موقعہ پر رسولؐ خدا کے ٹھہرنے کے لئے سامنے کی پہاڑی پر چھپر کا سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپؐ نے میدان میں چکر لگایا اور ہاتھ کے اشاروں سے بتاتے گئے کہ اس جگہ انشاء اللہ فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں ۔ بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی جگہ پر خاک وخون میں آلودہ پڑا تھا!

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آگئے تو اللہ کے رسولؐ نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی: اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُرَیْشٌ جَآءَ تْ بِخَیْلِھَا وَفَخْرِ ھَآ ، جَاءَ تْ تُحَارِبُکَ وَتُکَذِّبُ رَسُوْلَکَ !" [1] پھر جوش میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور اپنے رب کو پکارا: اَللّٰھُمَّ انجِزْلِیْ مَا وَعَدْ تَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ!" [2] اتنا کہا تھا کہ پیچھے سے حضرت صدیقؓ چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَبْشِرْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُنجِزَنَّ اللّٰہُ لَکَ مَا وَعَدَکَ " [3] تمام مسلمانوں نے بھی تضرّع وزاری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا: (اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ)(انفال 12)

(اَنِّیْ مُمِدُّ کُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ) (انفال:9)

رسول خدا ﷺ وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نماز میں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔رمضان ۲ھ کی تاریخ تھی۔صبح ہوئی تو فریقین صف آراء ہوئے ،آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہوگئی۔ اُس وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذؓ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی' دعا میں آپؐ کی زاری بھی بڑھتی جاتی یہاں تک کہ عالم

---

[1] خداوندا' یہ قریش اپنے ساز وسامان اور فخر ونخوت کے ساتھ آگئے ہیں' یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کردیں۔ [2] خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر' خدایا میں تجھے تیرے وعدہ وعہد کا واسطہ دیتا ہوں۔

[3] یارسول اللہ ﷺ بشارت ہو قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

بے خبری میں شانوں پر سے رداء مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے بڑھ کر اٹھائی اور کہا ''یا رسول اللہ ﷺ آپؐ کی مناجات رب العزت تک پہنچ گئی' وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا'' عین اُس وقت کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور حالت جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آ گھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپؐ ہوشیار ہو گئے اور جوش سے فرمایا: ''ابوبکر، بشارت ہو، یہ لو جبرائیلؑ آ گئے' غبار سفر اب تک اُن پر موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر لا اُتارا' اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی' اور کفار کو ان کے قبضہ میں کر دیا کہ قید کریں اور قتل کریں!''
کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کر دی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار کو شکست ہوئی' صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر قید ہوئے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کوئی دیکھو، ابوجہل نے کیا کیا؟ عبد اللہ بن مسعودؓ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے' عفرا کے لڑکوں (معاذؓ و معوذؓ) نے ایسا وار کیا تھا کہ دشمن خدا پھر اُٹھ نہ سکا۔ عبد اللہؓ کو اس کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں' دیکھتے ہی آگے بڑھے اور داڑھی پکڑ کے بولے تو ہی ابوجہل ہے! اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا فتح کس کی ہوئی انہوں نے جواب دیا اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی' اے دشمن خدا' کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے نخوت سے کہا ''یہ فخر اُس پر جسے اُس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!'' عبد اللہؓ نے سر تن سے اُتار لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا ''اَللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' پھر کہا '' اَللّٰهُ اَکْبَرُ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَه' وَنَصَرَ عَبْدَه' وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَه'' چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھ کر بولے ''یہ اس امت کا فرعون تھا!''

جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمان' قیدی اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ

ہوئے۔ صفرا میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان وشوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنان اسلام مرعوب ہوگئے' مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور ومعروف منافق عبد اللّٰه بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر وکفار ہی کے ساتھ رہا۔

غزوۂ اُحد:

جب سرداران قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اُتر گئے اور سرداری ابو سفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اُس نے عربوں کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ماہ شوال ۳ھ میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے' عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ اُن کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے اور بڑے ساز وسامان سے مدینہ کا رُخ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا' خود آپؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں' اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر اُنہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگباری کریں۔ عبد اللّٰه بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

لیکن بعض وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مصرّ ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپؐ اُٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی اور مدینہ میں نماز کی امامت عبد اللّٰه ابن ام مکتومؓ کے سپرد کر کے جمعہ کے دن چل پڑے۔ راستہ میں عبد اللّٰه ابن ابی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہہ کر کہ "میری رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے" اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر لوٹ پڑا۔ عبد اللّٰه بن حزامؓ دور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے' مگر اُس نے ایک نہ سنی اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ اپنے حلیف

یہودیوں کو مدد کے لئے بلایا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔
آپؐ چلتے چلتے اُحد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کر کے اُتر پڑے۔ لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ ہفتہ کا دن ہوا تو جنگ کے لئے تیاری شروع کی۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور سواروں کے رسالے بھی، مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس سوار اور پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کی کہ تیر اندازوں کی جماعت کو عبداللّٰہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت اُس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن پشت پر حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہو اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔
آپؐ نے اُس دن دو زرہیں پہنیں، جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا، نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللّٰہ بن عمرؓ اُسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اُسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، عرابہ بن اوسؓ اور عمرو بن حزامؓ تھے۔ بعض جو ذرا بڑے تھے شرکت کے لئے بہت ضد کرنے لگے تو اجازت دے دی ان میں سمرہ بن جندبؓ اور رافعؓ بن خدیج تھے جن کی عمر کل پندرہ پندرہ سال تھی!
قریش نے بھی جنگ کے لئے صف آرائی کی، ان کے میمنہ پر خالدؓ بن الولید اور میسرہ پر عکرمہؓ بن ابوجہل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس دن اپنی تلوار ابودجانہؓ بن سماک بن حرشہ کو دے دی جو عرب کے ایک مشہور بہادر اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے۔ جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔
دن کے اول حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مال غنیمت لُوٹ رہے ہیں، تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسولؐ کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے۔

ان کے سردار نے لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سننے دی اور درہ تقریباً خالی ہوگیا۔

اُدھر مشرکین نے دیکھا کہ موقعہ اچھا ہے چنانچہ اُن کے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پشت پر سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہوگئی، دوست دشمن میں تمیز اُٹھ گئی۔ ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا' اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے' صرف تھوڑے ثابت قدم رہے۔

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے' چہرہ مبارک زخمی کیا' داہنی طرف نیچے کا دانت شہید کیا' سر پر خود چور کردیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ **حضرت علیؓ** نے بڑھ کر ہاتھ کے سہارے سے اُٹھایا اور **حضرت طلحہؓ** نے سینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اس قدر پیوست ہوگئی تھیں کہ **حضرت ابو عبیدہؓ** نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا' (**ابو سعید الخدریؓ** کے والد) **مالک بن سنانؓ** نے رخسار پر منہ لگا کے خون چوسا۔

مصعب بن عمیرؓ علمبردار آنکھوں کے سامنے شہید ہوگئے تو جھنڈا **حضرت علیؓ** کو دیا۔ مشرکین کا زور برابر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے اُس ارادہ کے پورا کرنے پر تلے ہوئے تھے جسے خدا پورا کرنا نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے ہوئے قربان ہوگئے مگر دشمنوں کا نرغہ کم نہ ہوا' آخر **حضرت طلحہؓ** نے شیروں کی ہیبت وسطوت سے حملہ کیا اور اُن کے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اُس وقت عجب حالت تھی' کفار کے تیر بارش بن کر برس رہے تھے، **ابو ریحانہؓ** رسول اللہ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا ''محمد ﷺ قتل ہوئے!!'' یہ سننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑگئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

انس بن نضرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔ پوچھا کس سوچ میں ہو؟ بولے ''رسولؐ اللہ تو شہید ہوگئے'' انہوں نے کہا ''پھر رسولؐ کے بعد تم جی کے کیا کرو گے؟ اُٹھو اور اُس راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ کے رسولؐ

نے اپنی جان دی ہے" یہ کہہ کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ نظر آئے' اُن سے کہا "اے سعدؓ اُحد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے!" اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیر' تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ بھی اُس دن سخت زخمی ہوئے تھے' ان کے تقریباً بیس زخم لگے تھے۔

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسولؐ اللہ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے' تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا' صرف آنکھیں چمک رہی تھیں' سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے پہچانا اور فرط جوش سے چلا اُٹھے: "مسلمانو بشارت ہو' یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں!" آپؐ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے بچائے مسلمانوں کو لے کر اُس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اُس وقت حضرت ابو بکرؓ ، عمرؓ ، علیؓ ، حارث بن الصمة الانصاریؓ وغیرہ صحابہؓ ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو اُبی بن خلف اپنے اُس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکہ میں یہ کہہ کر باندھ رکھا تھا کہ "اسی پر سے محمدؐ کو قتل کر دوں گا" لیکن جونہی قریب پہنچا رسول اللہ ﷺ نے حارث بن الصمةؓ کے ہاتھ سے حربہ لے کر وار کیا جس سے گردن زخمی ہوگئی اور وہ اُفتاں وخیزاں بھاگا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے گا چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس قدر خستہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے' آخر طلحہؓ بیٹھ گئے اور اُن پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آ گیا تو بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی۔

اُس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جوانمردی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہوگیا تو عمرہ بنت علقمه نے بڑھ کر جھنڈا اپنے کاندھے پر اُٹھالیا۔ اِدھر اُمِّ عمارہؓ نے سخت جنگ کی' عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قماۃ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر کافر دو زرہیں پہنے تھا اس لئے کچھ اثر نہ ہوا اور انتہائی قساوت سے اُلٹا اُنہیں زخمی کر گیا۔

جنگ ختم ہوگئی تو ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا "کیا یہاں محمدؐ ہیں؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلایا "ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) ہیں؟" سب خاموش رہے۔ تیسری بار پھر چلایا "ہیں؟" کوئی نہ بولا۔ جب اِدھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا "واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!" اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور چلا اُٹھے "او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا "اعلیٰ ھبل!" (ہبل کی جے!) آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کیا کہیں؟ فرمایا کہو "اللّٰہ اعلیٰ واجل" (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا "لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم" (ہمارا حامی عزیٰ (بُت) ہے تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں!) آنحضرتؐ نے تلقین کی "اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم!" (اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں!) ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے" حضرت عمرؓ نے کہا "برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!"

صحیحین میں ہے کہ ابو حازمؓ سے رسول اللہ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے "واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی ڈالا تھا اور کونسی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں اور علیؓ پانی ڈالتے تھے، جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت زہراؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا جس سے کہیں جا کے خون رُکا" صحیح بخاری میں ہے کہ جب دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو خون ہاتھ سے صاف کرتے جاتے اور فرماتے تھے: "وہ لوگ کیسے فلاح پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ اُنہیں صرف خدا کی طرف بلا رہا تھا!" یہ بات بارگاہ خداوندی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی "لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ [1]" (آل عمران-128)

---

[1] تمہیں اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ اُن کی توبہ قبول کرے یا سزا دے الخ.....

اس قیامت خیز جنگ میں جبکہ عام طور پر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے' انس ابن النضرؓ ثابت قدم رہے' کفار پر بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: ''خداوندا' ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برائت کرتا ہوں'' حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں ان کے باپ کو قتل کیے ڈالتے ہیں' یہ لاکھ چلائے ''لوگو' میرے باپ ہیں' میرے باپ!'' مگر کون سنتا تھا' مسلمانوں ہی کی تلواروں نے اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا مگر اُف تک نہ کی' صرف یہ کہا'' یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ '' (اللہ تمہیں معاف کرے) پھر جب رسول اللہ ﷺ نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: ''میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں'' اس واقعہ نے حذیفہؓ کو رسول اللہؐ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ اُحد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعدؓ بن الرّبیع کی تلاش میں بھیجا اور کہا: ''اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہؐ نے مزاج پوچھا ہے'' زیدؓ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ وہ زخموں میں چور نظر آئے' لبوں پر دم تھا' نیزہ تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسول اللہؐ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے ''رسول اللہ ﷺ پر سلام! زید' تو رسول اللہ ﷺ سے کہیو کہ سعدؓ جنت کی بو سونگھ رہا ہے' اور میرے قبیلہ سے کہیو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے تو کل خدا کے ہاں کوئی عذر کام نہ آئے گا!'' یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا' دوسرے انصاری کا اُدھر سے گزر ہوا تو یہ زخمی اسے کہنے لگا ''اے شخص کیا تو نے بھی سن لیا کہ محمدؐ قتل ہو گئے؟'' وہ مومن صادق بولا ''اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو کیا ہوا' تبلیغ حق تو کر گئے' تجھے بھی چاہئے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا'' اس پر قرآن

میں یہ آیت نازل ہوئی ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ [1] جنگ اُحد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی۔ مسلمانوں کی شکست بلاوجہ نہ تھی' اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جن کی اب تاریخ شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ج حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ج ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ج وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ط'' [2]

چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور اُن تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنت الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق و اہل حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر' صادق و کاذب کے درمیان تمیز اُٹھ جائے' ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرۂ مومنین میں داخل ہو جائے' حالانکہ حکمت الٰہی یہی ہے کہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز قائم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسولؐ کی عمر محدود ہے' وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا' لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں' مسلمان اگر حق پرست ہیں تو ان کی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر رہنی چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدان جنگ میں رسولؐ کی

---

[1] محمد ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں لوٹ جائے گا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا' اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔

[2] اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اُس کے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسب منشا نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت' پھر پھیر دیا تمہیں اُن سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری اور البتہ یہ خطا تمہاری معاف کر دی۔

شہادت سن کے ایسے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا اور وہ خدا ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ حق بھیجا تھا: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ" (ال عمران: 144) اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاؑ اور ان کے ساتھ بے شمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے مومنین صادقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ج فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○[1]" (ال عمران: 146-148) قرآن میں جنگ کے متعلق ساٹھ آیتیں سورۂ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں اور "وَاِذْ غَدَوْتَ" سے شروع ہوتی ہیں۔

غزوۃ المریسیع

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ ھ میں واقع ہوا' وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب و جوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لے کر رسولؐ اللہ سے جنگ کرنے کے لئے نکلا۔ مدینہ خبر پہنچی تو آپؐ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسیع نام مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی' مگر آپؐ نے حملہ کیا اور قیدی حاصل کئے۔ جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔

---

[1] بہت نبی گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی' خدا کی راہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے نہ سست ہوئے' نہ کمزور ہوئے اور نہ ہمت ہار بیٹھے' خدا ثابت قدموں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا' پروردگار' ہماری خطاؤں کو معاف کر دے' ہمیں ثابت قدم کر اور کافروں پر فتحیاب کر۔ خدا نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ اچھوں کو پسند کرتا ہے۔

آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے روپیہ ادا کر کے آزاد کر لیا اور پھر عقد بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جواب مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ: رسول اللہؐ کے سسرالی عزیز ہیں'' اِسی غزوہ سے ''اِفک'' کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت عائشہ ؓ اِس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں' واپسی میں جبکہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے تھا وہ استنجا کے لئے میدان گئیں' لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار جو اپنی بہن سے عاریۃً لائی تھیں گم ہے۔ فوراً تلاش میں واپس ہوئیں۔ اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا' جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اُٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے وہ اندر ہیں۔ یہ اُس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اس لئے کجاوہ اُٹھاتے ہوئے اُنہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔ صفوانؓ بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی چیزیں اُٹھا لیں' اُن کی نظر جب یہاں حضرت عائشہ ؓ پر پڑی تو اِنَّا لِلّٰہِ کہہ کر سکتہ میں آ گئے' وہ اُنہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں' ادب سے اونٹ قریب لا کے بٹھا دیا وہ سوار ہو گئیں۔ اور یہ خود مہار تھامے پیدل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آ ملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن ابی منافق کو معلوم ہوا تو فوراً تُہمت لگا دی اور شہرت دینے لگا۔

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ اوّل اوّل بالکل خاموش رہے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا' حضرت علیؓ نے اشارۃً طلاق کی صلاح دی لیکن حضرت اُسامہؓ وغیرہ نے اس کی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا' حضرت علیؓ اس طرف گئے کہ حالت شبہ کو بہر حال ختم کر دینا مناسب ہے تا کہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چہ مگوئیوں سے چھٹکارا ملے۔ اُسامہؓ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور اُن کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ

سے از حد محبت ہے اور اُن کی جدائی نہایت شاق گزرے گی۔ پھر اُنہیں کامل یقین تھا کہ اُم المومنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت وعفت ہر طرح کے شک شبہ سے بالاتر ہے، رسولؐ کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ان کی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہؓ قصۂ افک سن کر پکار اُٹھے تھے: "سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ!"

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو حضرت عائشہؓ کی برأت کے ساتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے جب برأت کی آیات پڑھیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ مسرت سے اُچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: "اُٹھو رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو"، اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی خودداری و جرأت قابل دید ہے وہ بولیں: "بخدا میں "ان کا" ہرگز شکریہ ادا نہ کروں گی، میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی!" یہ جواب اُن کی پاک باطنی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔ جب وحی کے ذریعہ برأت ثابت ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے تہمت لگانے والے لوگوں کے ۸۰، ۸۰ درّے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

غزوۂ خندق:

شوال ۵ ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب اُحد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابو سفیانؓ آئندہ سال پھر حملہ کرنے والا ہے، تو ان کی بھی ہمتیں بلند ہوگئیں اور ان کے سردار قریش کے پاس گئے، حملہ کے لئے اُکسایا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرات ہوئی اور وہ اُن کی صلاح مشورہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر جرار فراہم ہو گیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائل عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ سپہ سالاری ابوسفیانؓ کو دی گئی۔ اور اس فوج گراں نے سیلاب بلا بن کر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع پہنچی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا' **سلمان فارسی**ؓ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپؐ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھدنے لگی جس میں علاوہ صحابہ اکرامؓ کے خود رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لے کر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔ عین اُسی وقت معلوم ہوا کہ **بنی قریظہ** (یہودی) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔ آپؐ نے **سعد**ؓ **بن معاذ** ' **سعد**ؓ **بن عبادہ** اور چند دیگر **صحابہ**ؓ کو تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ یہ گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے' کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے صحابہؓ اور خود رسول اللہؐ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ **سعد بن معاذ**ؓ وغیرہ سب کچھ دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اس کا اثر مسلمانوں پر بہت برا ہوا' بہت سے لوگ بددل ہو گئے' منافقین کا نفاق کھل گیا' اور **بنی حارثہ** کے بعض مسلمانوں نے یہ حیلہ کر کے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں' حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا' محض لڑائی سے جی چرانے کی بات تھی۔ اسی دوران میں مشرکوں کا لشکر بھی آ پہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ **قبیلہ غطفان** کو مدینہ کے نخلستانوں کی ثلث فصل دیکر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں' تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی' لیکن جب انصار کے سردار **سعد**ؓ **بن معاذ** اور **سعد**ؓ **بن عبادہ** سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے مخالفت کی وہ کہنے لگے: "یا رسول اللہؐ، اگر آپؐ کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہر حال میں راضی ہیں۔ لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں' جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اُس وقت بھی اُنہیں کبھی مدینہ کی طرف

آنکھ اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی' پھر اب جبکہ اللہ نے ہمیں مشرّف بہ اسلام کیا اور آپ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت ان کے حوالہ کردیں؟ بخدا ہمارے پاس ان کے دینے کو بجز تلوار کے اور کچھ نہیں!'' آنحضرتؐ کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا: ''یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا' کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کے اُمنڈ آیا ہے۔''

کامل ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا' آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور اس کی شکست کا سامان غیب سے کردیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلہ غطفان کے ایک شخص نعیمؓ ابن مسعود کا دل خود بخود نورِ اسلام سے جگمگا اُٹھا۔ وہ خفیہ طور پر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ''میں اسلام لا چکا ہوں' حکم دیجئے' تعمیل کے لئے حاضر ہوں'' آپؐ نے فرمایا ''تم ایک فردِ واحد ہو اور تنہا کیا کرسکتے ہو' ہاں اگر ممکن ہو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ حیلہ وتدبیر کا نام ہے''۔ نعیمؓ فوراً واپس ہوئے ان کے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی' پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے' اُن کے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آرہے تھے' کہنے لگے ''دیکھو اب تم محمدؐ سے لڑائی مول لے چکے ہو' قریش کا کیا ہے' موقعہ پائیں گے فائدہ اُٹھائیں گے' ورنہ تمہیں محمدؐ کے رحم اور انتقام کے حوالہ کرکے اپنے ملک چل دیں گے'' وہ کہنے لگے ''پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟'' بولے ''اُس وقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو جب تک بطور ضمانت کے اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں'' فریب خوردہ یہودی کہنے لگے ''واقعی اچھی صلاح ہے!'' اِدھر یہ کیا' اُدھر قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ''تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟'' وہ کہنے لگے ''ہاں بلا شک'' نعیمؓ نے کہا ''تو سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمدؐ سے عہد شکنی کرکے اب پچھتا رہے ہیں' اُنہوں نے پیام وسلام شروع کردیا ہے اور باہم یہ بات قرار پاگئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمدؐ کے حوالہ کردیں اور پھر ان کے

شریک ہوکر تم سے جنگ کریں، لہٰذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہر گز نہ دینا" اس کے بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے اور بعینہٖ یہی گفتگو وہاں بھی کی۔

اب دشمنان اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو آزمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا "ہم یہاں پردیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال ومتاع ضائع کر چکے ہیں، لہٰذا تیار ہو جاؤ سب مل کے محمدؐ پر حملہ کر دیں" یہودیوں نے سنا تو نعیمؓ کی بات، یاد آ گئی' کہلا بھیجا "آج ہفتہ کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم ہفتہ میں کچھ نہیں کرتے' علاوہ ازیں جب تک ہمیں ضمانت نہ دو گے ہم تمہاری طرف سے نہیں لڑیں گے" قریش نے یہ جواب سنا تو باہم کہنے لگے "بخدا نعیم نے ٹھیک کہا تھا" اور یہودیوں سے کہلا بھیجا "واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑو" اس جواب سے قریظہ کو نعیم کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہوگئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیج دیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کشت خون کے دشمنان اسلام رسوا وخوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہوگیا۔

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ بھی شہر میں واپس آئے اور ہتھیار کھولنے لگے' عین اسی وقت حکم خداوندی پہنچا کہ بنی قریظہ کو ان کی عہد شکنی کی سزا دو۔ چنانچہ فوراً منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے' اور خود بھی فوراً روانہ ہو گئے۔ یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا' لیکن بالآخر مقہور ومغلوب ہوئے' جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا' قتل ہوئے' باقی قید کی ذلت میں پڑے' حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۂ احزاب میں ان دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

غزوۂ حدیبیہ:

یہ غزوہ ذی القعدہ ۶ھ میں واقع ہوا' تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا کہ قریش کی نقل وحرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام غسفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں' آپؐ سے لڑیں گے اور کعبہ کے قریب نہ جانے دیں گے۔ آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا' حضرت صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالدؓ بن الولید کو دیکھ بھال کرنے والا بنا کر بھیجا ہے' لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کے پرے پرے نکلے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے تو خالدؓ نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی' جھٹ گھوڑا دوڑا کے مکہ پہنچے اور قریش کو خبر دی جس سے اُنہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اس کے کہ اِدھر سے کوئی کارروائی عمل میں آتی آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو حدیبیہ سے یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ: ''ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے' صرف عمرہ مقصود ہے، لہٰذا ہمیں نہ روکو'' قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے: ''جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا' بس اب رہنے دو'' اِدھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ حضرت عثمانؓ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور اُنہوں نے ضرور طواف کیا ہوگا' لیکن آنحضرتؐ نے سنا تو یہی فرمایا ''میرے خیال میں تو عثمانؓ نے ہرگز طواف نہ کیا ہوگا' ہم محصور ہیں وہ بھلا طواف کریں گے؟'' اور واقعہ بھی یہی تھا' حضرت عثمانؓ نے آ کر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو' مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی، فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برسائے۔ اسی دوران میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ

حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے' اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑیں گے اور کسی حال میں بھی نہ بھاگیں گے۔

لیکن حضرت عثمانؓ جلد ہی مکہ سے صحیح سالم واپس آ گئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سرِ نو شروع ہوئی۔ شرطیں طے ہو چکیں تو آپؐ نے کاتب کو بلا کر فرمایا: لکھو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سھل بن عمرو قریش کا نمائندہ تھا "رحمٰن" کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے؟ لہٰذا "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے" اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہی لکھا جائے گا۔ مگر آپؐ کے پیش نظر تو صلح تھی' فرمانے لگے کچھ مضائقہ نہیں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھ دو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی: "هٰذَا مَا قَضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس پر محمد رسول اللہ نے سمجھوتہ کیا ہے) سہل نے فوراً اعتراض کیا: "اگر ہم یہی مانتے کہ آپؐ رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے؟" لہٰذا محمدؐ بن عبد اللّٰه لکھیئے" اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپؐ نے فرمایا" گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں' اچھا محمدؐ بن عبد اللّٰه لکھ دو" پھر لکھانا چاہا" باہم یہ طے ہوا قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں" سہل نے اس پر بھی اعتراض کیا: "بخدا ایسا نہیں ہو سکتا' سارا عرب کہے گا ہم دباؤ سے ڈر گئے' البتہ آئندہ سال تم آ سکتے ہو"۔ پھر حسب ذیل شرطوں پر عہد نامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگ و جدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔

(۲) اِس سال واپس جائیں' آئندہ سال آ سکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر نہ لائیں' صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہے گا' اس کے بعد ہی فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آ جائے گا اُسے واپس نہ کریں گے، لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا وہ اُسے واپس کر دیں گے۔ اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا اور آنحضرتؐ سے کہنے لگے: "رسول اللہؐ کیا یہ شرط بھی ہم منظور کر لیں گے"؟ آپؐ نے جواب دیا "ہمارا جو آدمی اُن کے پاس چلا جائے گا خدا کی اُس پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کا جو آدمی ہمارے پاس آ جائے گا اور ہم حوالہ کر دیں گے، خدا اُس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا"

معاہدہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اُٹھو، قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپؐ نے بار بار یہ حکم دیا، مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ بجز ایک دو کے کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپؐ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ ؓ نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی، آپؐ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ وہ عرض کرنے لگیں "اگر آپؐ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہئے، خاموشی سے اُٹھئے، قربانی کیجیے اور حجام کو بلا کر سر منڈا دیجئے، سب فوراً پیروی کریں گے" آپؐ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں ان کے متعلق نازل ہوا: يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ج فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ الخ (10:28) [1] اسی موقعہ پر قبیلہ خزاعہ آنحضرت ﷺ کی حمایت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش کی حمایت میں۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورۂ فتح میں موجود ہے۔

---

[1] اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، ان کا امتحان کرو۔ اللہ کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے۔ اگر تم انہیں ایماندار سمجھو تو پھر انہیں کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ نہ ایماندار عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران کے لئے حلال ہیں۔

غزوۂ خیبر:

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مال غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کرلیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ"

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہو گئے اور اس بات پر صلح کرنا پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال و متاع اپنی بار برداریوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے: "آپؐ ہمیں رہنے دیں، ہم اِس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی اصلاح و درستگی اور حفاظت کرتے رہیں گے" خود آنحضرتؐ اور صحابہ کے پاس اُس وقت کھیتی باڑی کے لئے آدمی نہ تھے، آپؐ نے یہودیوں کی درخواست منظور کرلی اور جلاوطنی عارضی طور پر ملتوی کرکے آدھی بٹائی پر اُنہیں زمینیں دے دیں۔ معاہدہ میں کوئی معیاد مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ کی خوشی پر موقوف تھا جب تک چاہیں رکھیں۔

اِسی غزوہ میں صفیہؓ بنت حیی بن اخطب قید ہوکر آئیں اور اسلام لے آئیں آپؐ نے انہیں اپنے لئے منتخب کرلیا اور آزاد کرکے زوجیت میں لے آئے، نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دے دیا۔

اِسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہ سلام بن مشکم) نے زہر ملا کر بھُنی ہوئی بکری تحفتہً پیش کی جسے آپؐ نے اور بعض صحابہؓ نے تناول کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشرؓ بن البراء کا انتقال ہوگیا تو آپؐ نے عورت کے قتل کا حکم دے دیا۔ خود آپؐ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات زہر ہی کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں فرمایا: "خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اُس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی، لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے"

خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادی قریٰ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا' اس مقام کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہل خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہل فدک کا بھی ہوا۔ تیماء کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو خائف ہو گئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہل خیبر کی شرطوں پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک رہے' جنہوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو تو جلاوطن کر دیا مگر تیماء اور وادی قریٰ والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ دونوں علاقے حدود شام میں داخل تھے اور خیبر و فدک سرزمین مقدس حجاز میں کہ جس کا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

غزوۂ فتح:

۱۰ ارمضان ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمان کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سبب حملہ کر دیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو ان کی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدۂ صلح توڑ دیا۔ بنی خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھر جائیں۔

اِس موقعہ پر ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ تیاریوں میں مصروف تھے تو اُنہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں من وعن سب باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ آنحضرتؐ تم پر یلغار کیے آ رہے ہیں۔ مگر مشیت ایزدی یہی تھی کہ قریشی بے خبری ہی میں اپنے کیے کی سزا بھگتیں' چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی اور حاطب کا راز فاش ہو گیا۔ آنحضرت نے انہیں بُلا کر سبب دریافت کیا' یہ مومن صادق تھے' سچائی سے کہنے

لگے: "یارسول اللہ، میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے، خدا گواہ ہے کہ میں اُس پر اور اُس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مرتد ہوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قریشی ہوں نہیں، یوں ہی قبیلہ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل وعیال سب کے سب ان کے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو اُن کی حفاظت کی ضامن ہو، برخلاف آپؐ کے اور اصحابؓ کے جن کے قرابتدار وہاں موجود ہیں اور اُن کے اہل وعیال کی حفاظت وحمایت کرتے ہیں، یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم سے کم قریش پر ایک ایسا احسان کردوں جس کے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں۔" آنحضرت ﷺ نے یہ جواب قبول کرلیا اور حاطب کی خطا معاف کر دی۔

جب تیاریاں ہر طرح مکمل ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ جو مع اہل وعیال ہجرت کیے چلے آرہے تھے ملے اور لشکر میں شامل ہوگئے۔ جب فوج اسلام **مُر الظہران** نامی مقام پر پہنچی تو آپؐ نے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب وجوار کے تمام علاقے روشن ہوگئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، اُنہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم بھی نہ گزرا تھا کہ مسلمان اِس تیزی سے سر پر پہنچ جائیں گے۔ **حضرت عباسؓ** کو تشویش تھی اور چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرادیں تاکہ امان حاصل کرلیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہؐ کے خاص خچر پر سوار ہوکر نکلے اور اِدھر اُدھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ: میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں **ابو سفیانؓ** کی آواز سنائی دی جو **بدیل بن ورقا** سے باتیں کررہا تھا۔ **ابو سفیانؓ** نے تعجب سے کہا: "بدیل، واللہ میں نے آج تک اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا" بدیل (جو در پردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھا) نے کہا "یہ **قبیلہ خزاعہ** کی آگ اور اُنہیں کا پڑاؤ ہے" ابوسفیانؓ نے تردید کی "نہیں، اتنی بڑی آگ اور ایسا

پڑاؤ کسی طرح بھی خزاعہ کا نہیں ہوسکتا' خزاعہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں؟'' حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں آواز پہچان کے پکارا ''ابو حنظلہ!'' (ابو سفیانؓ کی دوسری کنیت ہے) اُس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا ''یہ کیا معاملہ ہے؟'' میں نے کہا ''یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اُن کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے' بخدا اگر تمہیں پا جائیں گے' بے گردن مارے نہ چھوڑیں گے!'' وہ بولا ''پھر اب کیا تدبیر ہے؟'' میں نے کہا ''خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آ جاؤ' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کے تمہارے لئے امان حاصل کئے لیتا ہوں'' ابو سفیانؓ نے اسے منظور کیا اور خدمت نبویؐ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرت سے یہ بھی عرض کیا کہ ابو سفیانؓ ایک ممتاز آدمی ہے، اسے کوئی امتیاز عطا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جو کوئی ابو سفیانؓ کے گھر میں چلا جائے گا اُس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد الحرام میں چلا جائے گا اُس کے لئے امان ہے'' مشرف بہ اسلام ہو کر ابو سفیانؓ مکہ گئے اور قریش کو با آواز بلند پکارا ''یہ دیکھو محمد ﷺ لشکر جرار لئے آ پہنچے' تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے' جو کوئی ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اُس کے لئے امان ہے!'' پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے پھر ابو سفیانؓ پر ناراض ہو کر کہنے لگے: ''خدا تجھے غارت کرے' تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دے گا!'' پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

اُدھر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالدؓ کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بلا تکلف قتل کرتے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔ حماس بن قیس رسول اللہ ﷺ کے داخلہ سے پہلے ہتھیار مہیا کر رہا تھا' اس کی بیوی نے پوچھا یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں؟ بولا ''محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کے لئے'' وہ کہنے لگی ''واللہ تمہارے یہ ہتھیار محمد ﷺ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے!'' اس پر وہ فخر سے بولا ''خدا کی قسم میں اُن میں سے ایک دو کو پکڑ کے تیری غلامی میں

رکھوں گا'' پھر یہ شعر پڑھا:

اَنْ يَّقْبِلُوا الْيَوْمَ فَمَالِىْ عِلَّةٌ   هٰذَاسِلَاحٌ كَامِلٌ وَّ الَةٌ

(ترجمہ: اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے' یہ پورے ہتھیار اور مکمل ساز و سامان موجود ہے)۔

اس کے بعد ہی خالدؓ کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کے لئے یہ بھی نکلا' معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے' پھر کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا' ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ! وہ کہنے لگی ''اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟''

رسول اللہ ﷺ نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا' مہاجرین وانصار' آگے پیچھے' دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے' اُسے چھوا اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اُس کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے' آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کے زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے: ''جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً ! جَآءَ الْحَقُّ وَمَايُبْدِىءُ الْبَاطِلُ وَ مَايُعِيْدُ !۔ عجب منظر تھا' عرب کے یہ خدا یکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے' اُن کے پرستار دیکھتے تھے مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا! اُس دن اسلام کے خدا رب السموٰات والارض کا بول بالا ہوا اور اُس کا گھر ہمیشہ کے لئے معبودان باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا!!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو بلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی چابی رہتی تھی، چابی طلب کی اور کعبہ پر سے تصویریں مٹا دیں جن میں علاوہ اوروں کے حضرت ابراھیمؑ واسمٰعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ پھر نماز پڑھی' کعبہ کے اندر داخل ہوئے' تکبیر کہی اور لوٹ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بھیڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپؐ نے

اُنہیں مخاطب کر کے حسب ذیل کلمات کہے:

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں' اُس کا کوئی شریک نہیں' اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا' اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں[1] صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کا پانی پلانا اس سے مستثنٰی ہے اے قریش' خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر گھمنڈ دور کر دیا' تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی:)

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا كُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنَا كُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (اے لوگو' ہم نے تمہیں نر مادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ باہم جانو پہچانو' خدا کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے الـــخ) پھر فرمایا "قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا؟" سب پکار اُٹھے: "اچھا سلوک، آپ شریف برادر اور شریف برادر زادہ ہیں فرمایا میں اس وقت تم سے وہی کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی! "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" (آج تم پر کچھ بھی الزام و ملامت نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو!"

اِس کے بعد صحن مسجد میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت علیؓ ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی ہمیں بخش دیجئے" آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمانؓ بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو اُن کی طرف چابی بڑھاتے ہوئے فرمایا "لو یہ چابی لو' آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے" پھر اُم ھانی بنت ابی طالب (اپنی چچیری بہن) کے گھر تشریف لے گئے' غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضحٰی کا تھا' اسی لئے بعض لوگوں نے

---

[1] یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے جھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور جو ہو چکیں سب معاف ہیں۔

غلطی سے خیال کرلیا ہے کہ یہ صلوٰۃ ضحیٰ تھی، حالانکہ نماز شکر تھی جو اس فتح مبین کے شکرانہ میں ادا کی گئی تھی، جس کی دلیل خود اُم ھانیؓ کی حدیث میں موجود ہے کہ ''اس دن سے پہلے اور پیچھے کبھی میں نے آپؐ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا'' علاوہ ازیں امراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نماز شکر ادا کیا کرتے تھے۔

غزوۂ حنین:

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلہ ھوازن کو رسول اللہ ﷺ کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو عبداللہ الاسلمیؓ کو جاسوسی کے لئے بھیجا، اُنہوں نے آکر تمام حالات بیان کئے اور آپؐ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیش قدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائے گا تو وہ خود آکر مکہ پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کے لئے خود بھی تیاری کی۔ صفوان بن اُمیّہ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا۔ آپؐ نے بلا کر فرمایا ''اپنے ہتھیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں'' اُس نے کہا ''محمدؐ! کیا غصب کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً چاہتا ہوں'' چنانچہ اُس نے سو زرہیں اور اتنے ہی ہتھیار دے دیئے۔

آنحضرت ﷺ نے کوچ شروع کیا، دس ہزار مہاجرین وانصار جو فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ عتابؓ بن اسید کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ جلال کے ساتھ یہ لشکر گراں یلغار مارتا روانہ ہوا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہو چکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پُر پیچ راستوں میں جا بجا ہماری تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بے خبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً مہلت نہ لینے دی۔ اس ناگہانی

مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے: ''لوگو! کہاں؟ کہاں؟ اِدھر آؤ' میں رسول اللہ ہوں! میں محمد ﷺ بن عبداللہ ہوں!'' لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے' کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپ ﷺ کے اہل بیت باقی رہ گئے تھے۔

مکہ کے اُجڈ گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بغض نکالنے لگے۔ ابو سفیان ؓ نے کہا ''اب یہ بھگوڑے سمندر سے اِدھر نہیں رُکنے کے!'' کلدہ نے کہا ''لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!''

حضرت عباس ؓ کی روایت ہے: ''میں یوم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ کے خچر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلائے ''لوگو، کہاں کہاں؟'' مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فربہ اور بلند آواز آدمی تھا' مجھ سے فرمانے لگے: ''عباس' انصاریوں کو ذرا آواز تو دو۔'' میں چلایا ''اے قوم انصار!'' لوگ سنتے ہی ''لبیک! لبیک!'' کہتے دوڑے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا''

فتح کے بعد آپ ؐ نے مال غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام جعرانہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۲۴ ہزار اونٹ' ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپ ؐ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی' دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید ان کے اعزاء مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لے جائیں۔ انتظار کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع کی' سب سے پہلے مؤلفة القلوب کا حصہ لگایا' ابوسفیان ؓ کو ۴۰۔ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دئے، وہ کہنے لگے ''اور میرے بیٹے یزید ؓ کے لئے؟'' آپ ؐ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دے دیئے۔ وہ پھر بولے ''اور معاویہ ؓ کے لئے؟'' آپ ؐ نے

معاویہؓ کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دے دیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مال غنیمت عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے مل گئے ہیں!" سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سنا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا "انصار کو جمع کرو" پھر ان میں تشریف لے گئے اور خطبہ دیا:

"انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور خدا نے مجھے بھیج کر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور خدا نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور خدا نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دیئے؟" آپؐ خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اُٹھے "اللہ اور اُس کے رسول کے احسانات ہم پر بہت ہیں!" آپؐ نے پھر فرمایا "انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟" کہنے لگے "یارسول اللہ! کیا جواب دیں، آپؐ کے ہم پر بیشمار احسان ہیں" فرمایا: بخدا! اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جس کی حرف بحرف میں خود تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلا دیا تھا، ہمارے پاس آیا تو ہم نے تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر ومددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی! تو محتاج تھا ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے حقیر دنیا دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہو گے کہ اور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ

لے کر جائیں اور تم اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کو لے کر لوٹو؟ قسم ہے اُس کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ تم لے کر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر لوٹیں گے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ خداوندا! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر!!'' اس پُر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انصاری چلائے: ہم رسول اللہ ﷺ کو حصہ میں پا کر بہت خوش ہیں!''

غزوۂ تبوک:

رجب ۹ ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں فوجیں جمع کی ہیں، ہرقل شاہ روم نے سال بھر کی رسد دے کر ایک لشکر تیار کیا ہے، حدود عرب کے عربی قبیلے لخم و جذم و عاملہ و غسان ان کے ساتھ ہو گئے ہیں اور مقدمۃ الجیش یلغار کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرت نے مالداروں کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور اُنہوں نے تعمیل کی، حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

آپ ﷺ کا دستور تھا جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن تبوک کے موقعہ پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔ جد بن قیس سے فرمایا: ''اے جد، کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کے لئے چلو گے؟'' اُس نے حیلہ سازی کی: ''یا رسول اللہ، کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھیں گے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں!'' آپؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا خیر نہ جاؤ اس پر آیت نازل ہوئی:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط [1]" منافقوں نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ' اِس پر یہ آیت اُتری :" وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ط قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ [2]"

اس موقعہ پر اشعریوں نے ابو موسیٰ کو بھیجا کہ آنحضرتؐ سے سواریاں مانگیں' آپؐ اُس وقت ناراض تھے' غصہ سے فرمانے لگے :" واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دوں گا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں" اس کے بعد ہی کچھ اونٹ آ گئے' آپؐ کا غصہ فرو ہو گیا اور اُنہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دیئے۔ ساتھ ہی فرمایا" میں نے تمہیں سواری نہیں دی' لیکن وہ خدا ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دیئے ہیں۔ میں جب قسم کھاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اس کے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کے کفارہ ادا کر دوں گا" (اِسی موقعہ پر ایک رات عیلہؓ بن زید نے نماز پڑھی اور رو رو کے دعا کی:" خداوندا! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسولؐ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسولؐ کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لے جا سکے' خداوندا! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے' جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی!"

اِس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا" علیہؓ، تیری یہ دعا بطور زکوۃ مقبول لکھ لی گئی!"

جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا' آپؐ نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا:" یہ تحریر یحنہ بن رویہ اور اس کی قوم اہل ایلہ کے لئے خدا اور خدا کے رسول محمدؐ کی طرف سے امان ہے' اہل ایلہ اور ان کے ساتھی شامیوں' یمنیوں اور اہل بحرین کے لئے خشکی اور تری میں پناہ ہے اُن کی کشتیاں اور اُن کے قافلے اللہ اور محمدؐ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر اُن کا کوئی آدمی خلاف معاہدہ کوئی کام کرے گا تو اُس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکے گا۔

---

[1] ان میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے۔

[2] یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو' اے پیغمبرؐ کہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے کاش ان میں عقل ہوتی۔

بلکہ وہ ہر کس وناکس کے لئے مباح ہوگی۔ ان کے لئے جائز نہیں کہ خشکی یا تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے سے روکیں"

آنحضرت ﷺ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسب ذیل ہے:

"امابعد! سب سے زیادہ سچی بات' کتاب اللہ ہے۔ سب سے بڑا سہارا' تقویٰ ہے۔ سب سے اچھی ملت' ملت ابراہیمیؑ ہے۔ سب سے بہتر سنت' سنت محمدیؐ ہے۔ سب سے اچھی بات' ذکر الٰہی ہے' سب سے عمدہ داستان' قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام' عزیمت کے کام ہیں۔ سب سے بُرے کام' بدعت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ' انبیا کا راستہ ہے۔ سب سے زیادہ معزز موت' شہادت کی موت ہے۔ بدترین اندھاپن' ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ' لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو' اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین توبہ' موت کے وقت کی توبہ ہے۔ بدترین ندامت' قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پشت پھیر کے جمعہ کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا' جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت' دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ' تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی دانائی' مخافت الٰہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک کفر کی ایک شاخ ہے۔ میّت پر نوحہ' جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت' جہنم کی گرمی ہے' شراب گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعہ معاش یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا مدار اُس کے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ مسلمان کا قتل' کفر ہے۔ غیبت کر کے مسلمان کا گوشت کھانا' معصیت ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت' اُس کی جان کی حرمت کے برابر ہے جو معاف

کرتا ہے' خدا اُسے معاف کرے گا۔ جو غصہ پیتا ہے' خدا سے اجر پائے گا۔ جو نافرمانی کرتا ہے۔ خدا اُسے عذاب میں ڈالے گا۔'' اس کے بعد تین مرتبہ استغفر اللّٰہ کہا اور خطبہ ختم کر دیا۔

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہؐ کو گھاٹی میں کہیں گرادیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اُن کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپؐ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت ''وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا'' میں اشارہ کیا ہے۔

اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجد ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا ''اپنے لئے الگ ایک مسجد بناؤ اور جہاں تک آدمی اور ہتھیار ہو سکیں' جمع کرو' میں قیصر روم کے پاس جا کر ایک لشکر عظیم لاؤں گا اور محمدؐ کو مع اُن کے اصحابؓ کے نکال باہر کروں گا!'' چنانچہ جب مسجد تیار ہو گئی تو یہ منافق خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے' چل کر اُس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجب برکت ہو۔ اس پر آیت'' لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيهِ [1] ''نازل ہوئی۔

مسجد ضرار والوں نے یہی درخواست اُس وقت بھی کی تھی جب آپؐ تبوک کے لئے تیاریاں کر رہے تھے' چنانچہ کہا تھا ''یا رسول اللہ' ہم نے بیماروں' حاجتمندوں اور ضرورت کے وقتوں کے لئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے' کیا اچھا ہوا گر آپؐ دو رکعت پڑھ کر اُسے متبرک کر دیں'' اس وقت آپؐ نے جواب دیا تھا کہ ''سفر درپیش ہے' پا بر کاب ہو رہا ہوں' عدیم الفرصت ہوں' واپس آؤں تو یاد دلانا' انشاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھا دوں گا'' لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپؐ نے مالکؓ بن الدخشم اور معنؓ بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ ''اس مسجد کو جا کر ڈھاؤ اور جلا دو!'' انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے اِدھر اُدھر چل دیئے۔ قرآن میں ہے:

---

[1] اس میں کبھی بھی نماز پڑھو' جو اوّل دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجد قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھو۔''

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ "

تبوک سے رسول اللہ ﷺ مظفرؔ و منصور واپس لوٹے تھے' سفر لمبا تھا' خطرے بے شمار تھے' چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوش خبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی' ہر قسم کے آدمی' مرد' عورتیں' بوڑھے' بچے' لڑکے لڑکیاں سب استقبال کے لئے باہر نکل آئے' مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

(ترجمہ: بدر نے "ثنیات الوداع" سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کے لئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہوگیا!)

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے' ان کی روایتوں میں ہے کہ یہ شعر اُس وقت گائے گئے تھے جب آپؐ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے ہیں' حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام "ثنیات الوداع" ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپؐ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا' سب سے پہلے مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی' پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے' جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آ کر معذرت کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپؐ نے سب کے عذر قبول کر لئے' کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا' لوگوں کے ظاہر کو لے لیا اور دلوں کا معاملہ علام الغیوب کے حوالہ [1] کر دیا۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی (۸۰) تھی۔

---

[1] کتب سیرت وحدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہؐ نے کسی مدعی اسلام کو اس کے اعمال وخیالات کی بناء پر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا ہو اور کفر کی مہر اُس کی پیشانی پر لگا دی ہو' جیسا کہ آج کل ہمارے نام نہاد علما کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے' کوئی اُسے ملت سے خارج نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ خود اُس دروازہ سے نکل جائے جس سے اللہ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ مترجم۔

وفودِ عرب:

فتح مکہ اور جنگ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھا دی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھا دیا اور تمام اطراف عرب سے وفد آنا شروع ہوئے تاکہ مشرف بہ اسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔ ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلانا شروع کیا: محمدؐ! محمدؐ! باہر آؤ آنحضرتؐ کو اس شوروغل سے اذیّت ہوئی جس پر آیت نازل ہوئی: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُ هُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ [1]" بنی تمیم کے وفد میں اُن کا قومی شاعر "زبرقان" بھی تھا، وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلہ کے مفاخر سنانے لگا، اُس کا ایک شعر ہے:

نَحْنُ الْمُلُوْکُ فَلَا حَیٌّ یُعَادِلُنَا مِنَّاالْمُلُوْکُ وَ فِیْنَا تَنْصِبُ الْبِیَعُ

ترجمہ: (ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کرسکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں)

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام حضرت حسانؓ کو جوش آ گیا اُنہوں نے ایک نہایت موثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:

اِنَّ الذَّوَآئِبَ مِنْ فَهْرٍ وَّاِخْوَتِهِمْ قَدْ بَیَّنُوْا سُنَّةً لِلنَّاسِ تُتَّبَعُ

ترجمہ: (فہر (قریش) کے سرداروں اور اُن کے بھائیوں نے دنیا کے لئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے)

یَرْضیٰ بِهِمْ کُلُّ مَنْ کَانَتْ سَرِیْرَتُهُ تَقْوَی الْاِلٰهِ وَکُلَّ الْخَیْرِ یَصْطَنِعُ

ترجمہ: (انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جس کے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے)۔

---

[1] جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں۔

قَوْمٌ اِذَاحَارَبُوْاضَرُّوْا عَدُوَّهُمُوْا　　　اَوْحَاوَلُوْاالنَّفْعَ فِیْٓ اَشْیَاعِهِمْ نَفَعُوْا

(ترجمہ) یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نیچا دکھا دیتے ہیں۔
اور جب دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہنچاتے ہیں)

سَجِیَّةٌ تِلْکَ فِیْهِمْ غَیْرُ مُحْدَثَةٍ　　　اَنَّ الْخَلاَئِقَ فَاعْلَمْ شَرُّهَا الْبِدَعُ

ترجمہ: (یہ ان کی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلّی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو)

حضرت حسانؓ کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیس وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا ''یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) بااقبال ہے' اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے!'' یہ لوگ اسلام لے آئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا' اور ان کے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دیئے۔

وفد عبدالقیس:

صحیحین میں ہے کہ جب ''عبد القیس'' کا وفد حاضر ہوا' رسالت پناہ ﷺ نے دریافت کیا: ''کون لوگ ہو؟'' عرض کیا: ''ہم قوم ربیعہ سے ہیں'' فرمایا: ''خوش آمدید' تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!'' عرض کرنے لگے: ''یارسول اللہ، ہمارے اور آپؐ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں' ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں' آپؐ ہمیں ایک جامع بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں' لوگوں کو اس کی تعلیم دیں' اور جنت سے شادکام ہو جائیں فرمایا: ''چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں:
میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو ''ایمان'' کیا ہے؟ شہادت دو کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں' محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرو' زکوۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو' اور مال غنیمت میں سے خمس بیت المال میں دو۔ چار چیزوں سے منع کرتا

ہوں:'' (آپؐ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا' کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کے لئے استعمال کیے جاتے تھے)

وفد بنی حنیفہ:

ابو اسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا' مسیلمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا' لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجع عبارتیں بھی بنائیں' چنانچہ ایک عبارت یہ تھی: لَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى اَخْرَجَ مِنْهُ نَسْمَةً تَسْعٰى مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَّحَشٰى [1] ''نماز معاف کر دی' شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح اس کے دھوکہ میں آ گئے اور گمراہ ہوئے۔ اُس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ: ''مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اُشْرِكْتُ فِي الْاَمْرِ مَعَكَ وَاِنَّ لَنَا نِصْفُ الْاَ مْرِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُ الْاَمْرِ وَلَيْسَ قُرَيْشٌ قَوْماً يَّعْدِلُوْنَ [2]

آپ ﷺ نے جواب تحریر فرمایا:'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ، اَمَّابَعْدُ ، فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَامَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. [3]''

۱۔ خدا نے حاملہ پر احسان کیا' اس سے ذی روح نکالا جو چلتا ہے' مابین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ ہے۔

۲۔ مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف' امابعد' میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں اور آدھا ہمارے لیے ہے اور آدھا قریش کے لیے لیکن قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

۳۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف' سلام اس پر جو ہدایت پر چلے' امابعد' زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنا دے' نتیجہ پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

وفدِ نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہوا' عصر کے بعد مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی' لوگ منع کرنے اُٹھے' مگر آنحضرتؐ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دے دی [1]۔ یہیں مسجد میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہو گیا۔ یہودی حبر نے کہا: ''ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے۔'' عیسائی راہب نے کہا: ''بلکہ عیسائی تھے'' اس پر آیت نازل ہوئی:

يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ إِبْرَاهِيْمَ وَمَآ أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ط أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ هَآأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران: 65-68)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب' ابراہیمؑ کے (دین کے) بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو تورات اور انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کا تمھیں کچھ علم تھا مگر جن باتوں کا تمیں کچھ بھی علم نہیں ان میں کیوں جھگڑتے ہو۔ اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی' بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں نہ تھا۔ ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جنھوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبیؐ اور اس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ صرف اُنہیں کا حامی و مددگار ہے

---

[1] اس سے ثابت ہوا غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدر اوّل میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

جو ایمان رکھتے ہوں۔"

یہ سن کر ایک یہودی بول اُٹھا: "یا محمد ﷺ! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اُسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی، عیسیٰ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں؟" عیسائی راہب نے بھی یہی سوال کیا۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا: معاذاللّٰہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں، خدا نے مجھے نہ اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے" اس پر قرآن نازل ہوا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ o وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o (آل عمران :79-80)

ترجمہ: "کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوتؐ عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اُس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے دے جب کہ تم مسلم ہو"

اس کے بعد عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا "ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السّلام) کے بارے میں آپؐ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں آپؐ نے جواب دیا: "آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کل جو کچھ مجھے بتادیا جائے گا اس سے مطلع کروں گا" چنانچہ ان کے جواب میں آیت نازل ہوئی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ o اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ o فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ .

(ال عمران:59-61)

ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں، یہ علم آ جانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اے نبی اس سے کہو کہ '' آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو''۔

صبح آپؐ نے انہیں ارشاد خداوندی سنایا اور اقرار چاہا۔ اُنہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح آپؐ حضرت حسنؓ و حسینؓ کو گود میں لئے ان کی طرف روانہ ہوئے، حضرت فاطمہؓ پیچھے پیچھے چل رہی تھیں، اور ان سے مباہلہ کے لئے کہا۔ مگر اُنہیں جراٴت نہ ہوئی [1]۔ بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے اور آپؐ نے اہل نجران کو تحریری امان دے دی۔

---

[1] مناظرہ کے باب میں اسوۂ حسنہ نبویؐ یہ تھا، وہاں بحث مباحثہ نہ تھا، دور از کار یونانی منطق کی کج بحثیں نہ ہوتی تھیں، سیدھی بول چال تھی، دعویٰ پر بیّن دلیل تھی، اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ خدا کے سپرد کر دیا اور کہہ دیا حق یہ ہے، نہیں مانتے، خدا تمہاری ہدایت کرے گا یا عذاب نازل کرے گا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز روز کے مناظروں اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہوا، مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے، اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا، اگر علماء کو اشاعت اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکل کر اپنے، اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خلق اسلامی کا نمونہ بن کر آئیں، لیکن موجودہ حالات میں اس کی امید کم نظر آتی ہے، حُبِّ جاہ، طمع اور ریاکاری کا ہم پر اس قدر غلبہ ہے کہ ہم خاموش کام پسند نہیں کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ !

(مترجم)

صلوٰۃ خوف:

جب خطرہ اور سفر دونوں درپیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونوں میں کمی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہوگی' صرف خطرہ ہو تو ارکان میں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیت قصر کے سفر اور خوف سے مقید ہونے کی حکمت معلوم ہوگی [1]۔

---

[1] آیت یہ ہے: ''وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ق صلے اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط اِنَّ الْکَافِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا o وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْآ اَسْلِحَتَهُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ص وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ج وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَنْ تَضَعُوْآ اَسْلِحَتَکُمْ ج وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا o فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ج فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ج اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا o (النسآء: 101 تا 103)

ترجمہ: اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اے نبیؐ جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لیے رہے' پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آ کر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ لیے رہے کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں' مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا (حاشیہ جاری ہے)

صلوٰۃ خوف میں اسوۂ نبویؐ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپؐ کے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے' لیکن سجدہ صرف اول صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کے لئے کھڑی رہتی' یہاں تک کہ آپؐ سجدہ سے فارغ ہوکر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے' اس وقت دوسری صف سجدہ کرتی ' پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اُس کی جگہ پر آ جاتی تا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی فضلیت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اوّل صف (جو اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی' یہاں تک کہ جب آپ ﷺ تشہد کے لئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہوکر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے:

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے: ایک گروہ آپؐ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا' اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپؐ سلام پھیرتے تو دونوں گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے' اُسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اس کے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے' لیکن اس وقت

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 181) کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

تک رکوع میں نہ جاتے جب تک پہلا گروہ اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا۔ جب فارغ ہو جاتے تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع وسجدہ کرتے اور تشہد کے لیے بیٹھ جاتے مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چھوڑی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا' انتظار کرتے اور پھر اُسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے' پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا' پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے پھر دوسرا گروہ آتا اور اُس کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونوں گروہ آپؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

(نوٹ) صلٰوۃ الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

مدّتِ سفر:

آنحضرت ﷺ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ آپؐ نے قصر کے لئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونے کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپؐ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا' سفر بہر حال سفر ہے' عام اس سے کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم' البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر' سفر نہیں رہتا۔

نافعؒ کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللّٰہ بن عمرؓ آذربائی جان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبید اللّٰہؒ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔

حضرت انس ؓ کا قول ہے کہ "رامہرمز" میں صحابہ ؓ سات مہینے ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسن ؒ کی روایت ہے کہ میں حضرت عبد الرحمن بن سمرہ ؓ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے۔ ابراہیم ؒ کا قول ہے کہ صحابہ ؓ ری اور سجستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہتے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کرام کا اُسوہ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھہر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہے گا۔

باب القضاء

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

قصاص:

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائے گا۔

احمد و نسائی وغیرہ میں حضرت برّاء ؓ کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابو بردہ ؓ سے ہوئی، وہ جھنڈا اُٹھائے جا رہے تھے، دریافت کرنے پر اُنہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُس شخص کو جا کر قتل کر ڈالوں اور اُس کے مال و متاع پر قبضہ کر لوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: "محرّمات سے جو زنا کرے اُسے قتل کر ڈالو" صحیحین میں ہے کہ نضر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اُس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ ﷺ تک معاملہ پہنچا، آپ ؐ نے قصاص کا حکم دیا۔ اُم ربیع (مجرمہ کی ماں) نے عرض

کی: ''یارسول اللہ کیا آپؐ اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہوسکتا!'' آپؐ نے فرمایا ''سبحان اللہ! اُم ربیع اللہ کا حکم قصاص ہے!'' کہنے لگیں: ''نہیں واللہ آپؐ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے'' اس اثنا میں باہم صلح ہوگئی اور لڑکی والوں نے دیّت قبول کرلی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے''۔

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا' اُس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ تک شکایت پہنچی' فرمایا: ''مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو' جا تیرے لئے کچھ بھی دیّت نہیں'' اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو کچھ بھی نقصان ہوجائے مظلوم اُس کا ذمہ دار نہیں۔

صحیحین میں ابو ھریرہؓ کی روایت ہے: ''اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالو' تو تم پر کوئی الزام نہیں'' دوسری روایت میں ہے: ''اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص۔''

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص آنحضرتؐ کے حجرہ میں جھانکنے لگا' آپؐ چھری کا پھل لے کر اُٹھے اور اُسے مارنے کے لئے موقعہ ڈھونڈنے لگے'' ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتل عمد کی مرتکب ہو تو اُس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک بچہ جن نہ لے اور بچہ کی کفالت نہ ہوجائے۔ احمد ونسائی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

زنا:

سنن میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہوکر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپؐ نے عورت کو طلب کیا' اُس نے انکار کیا' آپ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے درّے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہوگئے' ایک یہ کہ اگر

عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کردی جائے گی' دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہو گی' قذف کی نہ ہو گی۔

اگر لونڈی زنا کرے تو درّے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے: ''اگر کسی کی لونڈی زنا کرے تو چاہئے کہ دُرے لگائے'' حضرت علیؓ نے فرمایا: ''لوگو، اپنے لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو' عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہؐ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپؐ نے مجھے اُس کے درّے لگانے کا حکم دیا تھا۔''

شراب:

شارب خمر کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیز گن کر چالیس درے بھی لگائے ہیں جس کی پیروی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی کی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ رسول اللہؐ نے شارب خمر کو اسّی درے لگائے تھے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شراب پینے والی کی کوئی مقرر سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپؐ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیث قتل کے راویوں میں ایک عبد اللہ بن عمرؓ بھی ہیں جو فرماتے ہیں: ''چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ میں خود تمہاری طرف سے اُسے قتل کردوں گا''

قیدی:

آنحضرتؐ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا' بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا' بعض سے فدیہ قبول کر لیا بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دے دیا' بعض کو غلام بنایا' لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مال غنیمت:

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: ''زکوٰۃ، غنیمت، فیئی [1]۔ زکوٰۃ کا مصرف'' اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ '' والی آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے: ''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ '' رہے باقی چار حصے تو غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے: ''سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ سَلَب [2] قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاءِ عہد:

مسیلمہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے ''ہم مسیلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں'' فرمایا: ''اگر قاصد کا قتل روا ہوتا تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا''

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپؐ نے ابو جندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب عورتیں آئیں تو اُن کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعۃ الاسلمیہؓ مسلمان ہو کر آ گئی، اُس کا شوہر واپس لینے آیا، اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی: '' یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ ''(الممتحنۃ:10) [3]

---

[1] فیئی اُس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

[2] سلب وہ مال وہتھیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالت قتل میں ملیں۔

[3] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) کی جانچ پڑتال کر لو، اور ان کے ایمان کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار اُن کے لیے حلال۔ اُن کے کفار شوہروں نے جو مہر اُن کو دیے تھے وہ انہیں پھیر دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے' خاندان میں کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے اُس نے قسم کھائی' آپؐ نے شوہر کو اُس کا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان:

صحیح حدیث ہے: ''مسلمانوں کے خون برابر درجہ کے ہیں' اور اُن کا ادنیٰ ترین فرد بھی امان دے سکتا ہے''

آپؐ کی چچیری بہن اُم ھانیؓ نے دو آمیوں کو پناہ دی اور آپؐ نے قبول کر لی۔

اسی طرح اپنی صاجزادی حضرت زینبؓ کی پناہ ان کے شوہر ابو العاصؓ بن الربیع کے حق میں منظور کر لی اور فرمایا: ''ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے''۔

جزیہ:

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومتہ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش:

بریرہؓ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اُس کے عقد میں پھر آ جائے۔ اُس نے عرض کی: ''یہ آپؐ کا حکم ہے؟'' فرمایا ''نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں'' کہنے لگی تو مجھے منظور نہیں!'' اس جواب سے آپؐ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ کا خریدنا اور کھانا:

حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگر چہ ایک درہم میں ملتا ہو۔ لیکن آپؐ نے اُس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہؓ کو بطور صدقہ کے دیا گیا اور جسے اُس نے ہدیۃً آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فرمایا: ''یہ بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اُس کی طرف سے ہدیہ ہے''۔

باب الاحکام

نکاح:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ." "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝" "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝" "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝"[1] شعبہؒ کہتے ہیں میں نے ابواسحاق سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح کے لئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کے لئے۔

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت' خادم' یا سواری ملے تو لو' بسم اللہ کہو' خدا سے برکت چاہو اور دعا کرو: "خدایا میں اُس خیر کا طالب ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے'

---

[1] ہر قسم کی ستائش خدا کے لئے ہے' ہم اُس کی ستائش کرتے ہیں' اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جسے خدا ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ ہدایت نہ بخشے اُسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ "مومنو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو" "اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں' اس خدا سے (حاشیہ جاری ہے)

اور اُس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔" جب کسی کی شادی ہوتی آپؐ اُسے مبارکباد دیتے:

" بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ "

(خدا تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے)۔

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہو اور دعا کرو "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا " (الٰہی ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے اُسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ) تو اگر اس اجتماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے، شیطان اُسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

نکاح کی ترغیب:

آپؐ نے امت کو نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ حدیث میں ہے: "نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کروں گا۔" فرمایا: "میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنت سے منہ موڑے، میری جماعت سے نہیں" اور فرمایا: "نوجوانو! جو تم میں نکاح کر سکتا ہے، نکاح کرے کیونکہ نظر اور نفس دونوں کو محفوظ رکھتا ہے، اور جسے اس کی قدرت نہ ہو، چاہیے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے"۔ اور فرمایا: "دنیا سراسر عیش ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے" حدیث میں ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟ فرمایا: "وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اُس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو" صحیحین میں ہے: "عورت سے شادی یا تو اُس کے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے، یا حسن کی وجہ سے، یا دین کی

ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو آپس میں اور ڈرو قرابت کے معاملہ میں۔ اللہ بلاشک تم پر نگہبان ہے" "مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو، تاکہ تمہارے لئے تمہارے عمل درست کر دے، تمہارے گناہ تمہیں معاف کر دے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے، بلاشک عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

وجہ سے "تم دیندار بیوی پا کر بازی لے جاؤ۔" آپؐ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلاتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت:

صحیحین میں ہے کہ خنساءؓ بنت جذام کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کردیا تھا' وہ بالغ تھی اور اس کی پہلے شادی ہو چکی تھی' اُس نے آ کر آنحضرتؐ سے شکایت کی' آپؐ نے نکاح باطل کردیا۔ سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کردی' وہ حاضر ہوئی تو آپؐ نے اختیار دے دیا کہ نکاح چاہے رکھے یا رد کرے۔ صحیح حدیث میں ہے: "کنواری کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہ کیا جائے' اس کی اجازت خاموشی ہے" عملاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ کنواری کی اجازت اس کی خاموشی قرار دی اور شادی شدہ کی اجازت زبان سے اقرار۔ حدیث میں ہے: یتیم لڑکی کا عقد بغیر اس کی اجازت نہ کیا جائے' اگر چپ ہو جائے تو یہ اُس کی اجازت ہے' اگر انکار کرے تو مجبور نہ کی جائے۔

اذن ولی:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت خود نکاح کرلے تو اُس کا نکاح باطل ہے' اگر شوہر سے مقاربت ہوگئی تو مہر کی مستحق ہوگی' آپس میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں حاکم اس کا ولی ہے" (ترمذی) صحیح حدیثوں میں ہے: "ولی کے بغیر نکاح نہیں" اور فرمایا: "عورت عورت کا نکاح نہ کرے' اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے' کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپ کیا کرتی ہے!"

مہر:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو ۱۲ اوقیہ مہر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرتؐ نے ۱۲ اوقیہ[1]

---

[1] آدھ سیر سے کچھ کم۔

سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپؐ نے فرمایا: ''کچھ لاؤ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو''، لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: ''اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ چنانچہ انہیں سورتوں کے یاد کرا دینے کو مہر قرار دے کر اس کا نکاح کر دیا۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا: ''سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو[1]''

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا، آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اس کی ہم عصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔ ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے دریافت کیا: کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کرے گی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اُس نے بھی رضامندی ظاہر کی چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہونے لگا تو آپؐ نے خیبر کے حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔

حاملہ سے نکاح:

کتب سنن میں بصرہ بن اکثمؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا خلوت پر معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے اس کا مہر ادا کر دو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے دُرّے لگائے۔

---

[1] ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے، لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ حالانکہ یہ طریقہ اگر نکاح کو فاسد نہیں تو سخت مکروہ ضرور بنا دیتا ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی (مترجم)

شروط النکاح:

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ''جو شرطیں سب سے زیادہ پوری کرنے کی ہیں' وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو'' صحیح حدیث ہے: ''عورت کو نہیں چاہئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اس کی جگہ چلی جائے۔ کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کی قسمت میں تھا'' صحیحین میں ہے کہ: ''عورت نکاح میں اپنی بہن [1] کی طلاق بطور شرط نہ رکھے۔ مسند امام احمدؒ میں ہے: یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو''۔

شغار:

صحیح مسلم میں ہے: ''اسلام میں شغار نہیں'' شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابو ھریرہؓ کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں۔

تحلیل [2]:

ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلّل اور محلل لہ دونوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: ''کیا میں تمہیں مانگے ہوئے سانڈھ کا حال نہ بتاؤں؟ ''صحابہؓ نے عرض کی ''ضرور یا رسول اللہ ﷺ'' فرمایا: ''مانگا ہوا سانڈھ محلل ہے، اللہ کی لعنت ہو محلل اور محلل لہ' دونوں پر۔''

---

[1] یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں' کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا' بلکہ بہن کے لفظ سے مراد' ہر عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (مترجم)

[2] تحلیل" یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کے لئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے' قرآن میں ہے "..... حتی تنکح زوجا غیرہ "یعنی طلاق دینے والے کے لئے اس کی مطلقہ پھر جائز نہیں یہاں تک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر کے لئے دوبارہ (حاشیہ جاری ہے)

نکاح محرم:

صحیح مسلم میں ہے ''حالت احرام میں محرم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ دوسروں کا کرائے''

چار عورتوں سے زائد:

ترمذی میں ہے کہ غیلان ؓ اسلام لایا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''چار رکھ کے باقی سب کو علیحدہ کر دو'' فیروز دیلمی ؓ اسلام لایا ہے اس کے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا: ''دونوں میں جسے چاہو رکھ لو'' آپ ﷺ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے:

سنت نبوی ﷺ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کر لے اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے، یہ نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ ؓ سے بلکہ آپ ﷺ کا عمل اس کے خلاف بتحقیق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینب (رضی اللہ عنہا) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں اور جن کے شوہر پورے ۱۸ سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مگر آپ ﷺ نے بلا تجدید نکاح حضرت زینب ؓ کو اُن کے حوالے کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے، البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

نکاح کرنا جائز ہوگا۔ مگر علماء سوء نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کے لئے مطلقہ کا نکاح دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح طلاق دے دیتا ہے جس کے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے یہ تلاعب بالدین کی بدترین صورت ہے، مصر میں اس کا بہت رواج ہے، خود بہت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ ''ایجنسیاں'' بنی ہوئی ہیں جن میں جامعہ ازھر کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں، ''محلل'' اُسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور ''محلل لہ'' وہ ہے جس کے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم:

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سنت نبویؐ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو کنواری کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہیے اور جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اس کے پاس تین دن' اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کرے۔

نکاح میں کفوٗ کی شرط:

ترمذی کی روایت ہے: ''جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہیے اس سے نکاح کر دو' ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ وفساد پھیلے گا'' بنی بیاضہؓ سے فرمایا تھا: ''ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو'' حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے آپؐ نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہؓ بنت قیس الفھریہ کا نکاح اسامہؓ بن زید سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عبد الرحمنؓ بن عوف قریشی کی بہن حضرت بلالؓ کو بیاہ دی تھی جو ایک حبشی زرخرید غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو:

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا جب خلوت میں گئے تو اُس کے پہلو میں سفید داغ نظر آنے پر آپؐ فوراً علیحدہ ہو گئے اور مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا۔ مؤطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے: ''جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرا دے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر مل جائے گا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائے گی''

سنن ابوداؤد میں ہے: عبد یزید ابو رکانہؓ نے اپنی بیوی ام رکانہؓ کو طلاق دے دی

اور قبیلہ مزنیہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کی: "رسول اللہ ﷺ اس کا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال! (اور اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ لے کر دکھائی) لہٰذا آپؐ میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دیجئے" آپؐ نے ابو رکانہؓ سے فرمایا طلاق دے دو۔

ابن سیرین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا' اُس نے ایک عورت سے عقد کیا' اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی' حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اسے بتاؤ اور اختیار دو کہ رہے یا الگ ہو جائے۔

زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم:

ابن حبیب کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ حضرت فاطمہؓ گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت علیؓ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ کی روایت ہے کہ: "میں حضرت زبیرؓ کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی' اُن کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا' میں اُسے ملتی دلتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی' پانی پلاتی تھی' اور تین فرسخ پر اُن کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کے لایا کرتی تھی"۔

طلاق:

حدیث میں ہے: "غصہ میں طلاق نہیں ہوتی" اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس کے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے" اور فرمایا: عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے" اور فرمایا: "خدا نے میری امت کے لئے اُس کی بھول چوک اور غلطی معاف کر دی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے۔" صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا، فرمایا: "کہو رجوع کرلیں یہاں تک کہ پھر پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد چاہیں رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دے دیں، یہی وہ معیار ہے جو خدا نے طلاق کے لئے مقرر کیا ہے"

مسند احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ آنحضرتؐ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: "جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دے دینا یا رکھ لینا"

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام: حلال طریقے یہ ہیں کہ حالت طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونے کے بعد دے۔ حرام طریقے یہ ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دے یا حالت طہر میں خلوت کے بعد۔ یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرف میں آچکی ہوں لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالت حیض و طہر ہر حال میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

"لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ج صلے [۱] يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ج [۲]"

بیک دفعہ تین طلاق:

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ ﷺ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: "میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے!"

---

[۱] تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو۔
[۲] مومنو! اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم عورتوں کو طلاق دے دو تو اُن پر کوئی عدت نہیں ہے۔

مسلم کی روایت ہے: عہد نبویؐ خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمرؓ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا، ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دے دینے میں بہت پیش قدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ کر دیا۔[1] مسند احمد میں ہے: "رکانہؓ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی، فرمایا تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟ کہا تین طلاقیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں فرمایا "تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا، جی چاہے رجوع کر لے" انہوں نے رجوع کر لیا۔

غور کرو فرمایا "صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا" یہ اس لئے کہ جو چیز یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اُسے ایک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔ مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہہ دے کہ میں چار مرتبہ خدا کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اس کا یہ کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا۔ چار مرتبہ نہ ہوگا یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو

---

[1] حضرت عمرؓ نے یہ محض تعزیزاً کیا تھا جس کا امام کو حق ہے، تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علماء کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں، جس کے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق، طلاق بائن نہیں، لیکن ہمارے علماء فوراً زن و شوہر کو جدا کر دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے چلتے سینکڑوں گھروں کی خرابی کے باعث بنتے ہیں۔ اگر علماء نہیں تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

کیا اس کا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین زمانوں میں ایک ایک کر کے دی جائے تو بیک دفعہ کا تین طلاقیں دے دینا' تین پر محمول نہ کیا جائے گا بلکہ اس کا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔ عمر و بن شعیب ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے طلاق دے دی' پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہیئے' اگر قسم کھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعوی باطل ہو جائے گا' لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اس کا یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظہار [1] :

کتب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامت ؓ نے اپنی بیوی خولہ ؓ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں: "یارسول اللہ ﷺ! اوس نے مجھ سے اُس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی' اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بوڑھی ہوگئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہوگیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے" آنحضرت ؐ نے سب قصہ سن کر فرمایا: "تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے" اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں: "خداوندا! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے!" روایت ہے کہ خولہ ؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر باپ کے پاس رہیں گے' خراب ہوں گے' میرے پاس رہیں گے' بھوکے مریں گے" حضرت عائشہ ؓ یہ واقعہ بیان کرتی ہیں: ستائش ہے اُس خدا کے لئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے' خولہ ؓ بنت ثعلبہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی' میں گھر کے ایک گوشہ میں

---

[1] ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی۔ اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہیے" وہ کہنے لگی "اتنی مقدرت نہیں" فرمایا "دو مہینے مسلسل روزے رکھے" کہنے لگی "بہت بوڑھا ہے" فرمایا "اچھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے" کہنے لگی "اس کی بھی استطاعت نہیں" فرمایا "میں ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گا" اس نے کہا "میں بھی ایک ٹوکرے سے مدد کروں گی" فرمایا: شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو"

ایلاء [1] :

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ کی ٹانگ میں چوٹ آ گئی تھی، آپؐ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد اُترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپؐ نے تو مہینہ بھر کا ایلا کیا ہے۔ فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے" قرآن میں ہے: لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ [2]

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کے کالا لڑکا پیدا ہوا ہے" اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ کہنے لگا" ہیں فرمایا "کس رنگ کے ہیں؟" کہا "سرخ ہیں" فرمایا: "ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟" کہا "ایک ہے" فرمایا: "تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے

---

[1] ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معین زمانہ تک نہ جانے کا ارادہ کر لے۔

[2] جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں' ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کر لیا' تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے اور اگر انہوں نے طلاق کی ٹھان لی ہو تو جانے رہیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"

آ گیا؟ کہنے لگا "شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے" فرمایا: "تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے"

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "یارسول اللہؐ یہ میرا بچہ ہے' میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا' میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کے لئے گہوارہ تھی' اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے" فرمایا: "جب تک تو دوسرا عقد نہ کرے اس کی زیادہ مستحق ہے" حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپؐ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے چاہے ماں کے پاس۔

نانُ نفقہ:

عورت کو کتنا نفقہ دیا جائے؟ اس کے متعلق کوئی حکم وارد نہیں بلکہ اسے عرف عام کے حوالہ کر دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: "عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو' کیونکہ تم نے انہیں خدا کی ضمانت پر لیا اور اسی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے' تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے" صحیحین میں ہے کہ ابوسفیانؓ کی بیوی ہند نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ "ابو سفیانؓ بخیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو' میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں" فرمایا: "خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لیا کرو" دارقطنی کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کے لئے نان نفقہ نہ ہو' رسول اللہؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق دے دے۔ ابوالزنادؒ کی روایت ہے کہ میں نے سعیدؒ بن المسیب سے پوچھا: "جس کے پاس نان نفقہ نہ ہو کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائے گا؟" میں نے کہا "کیا یہ سنت ہے؟ کہا "ہاں سنت ہے" مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہؓ بنت قیس کو جب

ان کے شوہر نے طلاق بائن دے دی اور انہوں نے رسول اللہؐ کے حضور میں اُس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا' تو خود اُن کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن ام مکتومؓ کے مکان میں جا کر عدّت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔ نسائی نے بھی فاطمہؓ کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا نفقہ اور گھر اس عورت کے لئے ہے جس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہو۔ اس کی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا. (شاید خدا اس کے بعد (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے' یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جائے) سورہ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب:

ابوداؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا: ''کس سے سلوک کروں؟'' فرمایا: ''اپنی ماں سے' باپ سے' بہن سے' بھائی سے' اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے' یہ ایک حق ہے جس کا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے'' نسائی میں ہے: ''دینے والا ہاتھ اونچا ہے' سب سے پہلے انہیں دو جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں باپ' بہن' بھائی پھر وہ جو تم سے زیادہ قریب ہیں'' ابوداؤد میں ہے: ''سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو' تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے' لہٰذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو''

رضاعت:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اُتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی گئی کہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کر لیں۔ آپؐ نے جواب دیا: ''وہ میرے لئے جائز نہیں، وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی'' ابوداؤد میں ہے: ''رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے'' [1]

عدّت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو بتفصیل بتایا ہے اور اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں:

(۱) حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو یا رجعی یا اس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ فرمایا: ''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط'' [2] جمہور صحابہؓ کا یہی مسلک ہے، حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدت پوری ہو گئی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ موجود ہے۔

(۲) حیض والی مطلقہ کی عدت، تین طہر ہے۔ فرمایا: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط [3]''

(۳) اُس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین مہینے ہیں۔ فرمایا: وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیسا کہ جہلاء خیال کرتے ہیں۔

[2] حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

[3] طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ لا وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ط [1] "

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ط [2] "یہ حکم اُن بیواؤں کا ہے جو حاملہ نہ ہوں' کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جس کی عدت بہر حال وضع حمل ہے عام اس سے کہ وضع حمل عام عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

خرید و فروخت:

صحیحین میں ہے: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردہ جانور، سؤر، اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کر دی ہے" اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے: ایسے تمام مشروب جو عقل برباد کرتے ہیں۔ ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں' ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

---

[1] جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت تین مہینے ہے۔

[2] جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

باب تندرستی

مرض دو قسم کا ہوتا ہے: مرض قلب اور مرض بدن۔ قرآن میں ان دونوں قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرق علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کا علاج صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہے' وہی طبیب روحانی ہیں اور انہیں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارض جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور اُن کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے' مثلاً بھوک' پیاس' گرمی' سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسباب خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور اُن کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسوۂ نبوی ﷺ:

صحیح مسلم میں ہے: ''ہر بیماری کے لئے دوا ہے' اگر دوا لگ گئی تو مریض حکم الٰہی سے شفا پا جاتا ہے'' صحیحین میں ہے: ''خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو'' مسند میں اسامہ رضی اللہ عنہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے اور پوچھنے لگے: ''یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمیں علاج کرنا چاہئے؟'' فرمایا'' ہاں' خدا کے بندو! دوا کرو کیونکہ خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو' بجز ایک بیماری کے جس کی کوئی دوا نہیں'' کہنے لگے'' وہ کونسی بیماری ہے؟'' فرمایا: ''بڑھاپا'' ایک حدیث ہے: ''خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو' جسے معلوم ہو گئی' معلوم ہو گئی' جسے نہ معلوم ہوئی' نہ معلوم ہوئی'' سنن میں ابو خزامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''آپ ﷺ کی رائے جھاڑ پھونک' دوا' اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے؟ کیا ان سے خدا کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟'' فرمایا: ''یہ بھی تو خدا کی تقدیر ہے'' روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا: ''کسی

طبیب کو بلاؤ'' ایک شخص کہنے لگا'' اور آپؐ بھی یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے ہیں!'' فرمایا ''ہاں خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو''۔
ان احادیث سے اسباب و مسبّبات کا ثبوت ہوتا ہے اور اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو بُرا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہیئے:

مؤطا میں فریدؓ بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہو گیا اور خون اندر بند ہو گیا۔ آپؐ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغور دیکھ کر فرمانے لگے: ''تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟'' ایک شخص عرض کرنے لگا'' کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں جس نے بیماری اُتاری ہے اُسی نے دوا بھی اُتاردی ہے''

امراض متعدیہ سے تحفظ:

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپؐ اُس سے نہیں ملے بلکہ کہلا بھیجا: ''لوٹ جاؤ' ہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی'' بخاری میں ہے: ''جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو'' سنن ابن ماجہ میں ہے: ''جذامیوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھا کرو'' صحیحین میں ہے: ''بیمار تندرستوں میں نہ داخل ہو'' روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے گفتگو کرو [1]''

نیم حکیم:

سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے: ''جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ضامن ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب کو

---

[1] یہ تو سنت نبویؐ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو بچے اُسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے (مترجم)

علاج نہ کرنا چاہئے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بدہضمی:

مسند وغیرہ میں ہے: جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے بُرا ظرف پیٹ ہے' ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں' اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کے لئے' ایک ثلث پانی کے لئے اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے"

اپریشن:

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر ورم آ گیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اس کی پیٹھ میں بتوڑی ہے' فرمایا: ''چاک کرڈالو' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُس وقت تک وہاں موجود رہے جب تک عمل جراحی پورا نہ ہو گیا''۔

بیمار کو کھانے کے لئے نہ مجبور کرنا:

ترمذی میں ہے: ''بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے'' بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبوی ﷺ فوائد طبیہ سے لبریز ہے۔ کیونکہ بیمار جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اُس کے کئی اسباب ہوتے ہیں' یا تو طبیعت' مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے' یا حرارت غریزی کے کم ہو جانے سے رغبت نہیں ہوتی' یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے' غرضیکہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، الاّ اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل بہلانا:

ابن ماجہ میں ہے: ''جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اُسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ' اس

سے کچھ نہیں ہوتا' لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے'' یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے:

رسول اللہ ﷺ نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا' فرمایا: ''وہ دوا نہیں' خود بیماری ہے'' (کتب سنن) بخاری میں ہے: ''جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی''۔

خاتمہ

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک "**حیات طیبہ**" کا کامل نمونہ تھا۔ آپ مادی اور روحانی اصلاح وسعادت کے اصول وقواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اصول تھے، جن کی پیروی وپابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن، عظمت وشوکت کی معراج تک پہنچے، اور جن کے ترک کردینے سے مسلمان پستی کے گڑھے میں گر گئے۔ اور جہانگیری وجہان بانی کے بدلے اغیار کے محکوم وغلام بن گئے۔

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتّٰی کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ ہورہی ہے۔ وہ ایسی کتابوں کے درس وتدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دور لے جاڈالا ہے، اب کتاب اللہ کی تلاوت، ہدایت وعمل کے لئے نہیں، صرف تبرک کے لئے رہ گئی ہے۔ حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی یہ تمام ترقی وسربلندی انہیں اصولوں کی پابندی کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے اُن سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونے کے اُن کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے!

ایک لمحہ کے لئے ہم اپنے اور ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ موازنہ نہایت حسرتناک ہوگا کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو۔ مسلمانو ذرا دیکھو، غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

ہم اب تک "ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا" عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور وہ صنعت وحرفت، تجارت، اور ایجادات واکتشافات کے سر کرنے میں منہمک ہیں......!

ہم ''جمع الجوامع ''اور''ابن حاجب '' جیسی کتابوں کے رموز وغوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضاء کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں......!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی فکر میں حیران و سرگرداں ہیں' لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوشاں ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کے ادھیڑ پن میں پڑے ہیں' اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات نکالنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں ......! ہم '' تَـاَبَّـطَ شَرًّا '' اور مَعْدِیْکَرِبَ کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ و ماکولات مشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں' برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں' توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں' ریل کی پٹڑیاں بچھاتے ہیں!

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور ''رَاَیْتُ فِی الْحَمَامِ اَسَدًا'' (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھندتے ہیں' لیکن وہ جہاز بناتے ہیں' سمندروں کو طے کرتے ہیں' پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لے جاتے ہیں' بجلی کو تاروں پر دوڑاتے ہیں' اور خشکی اور تری کو ایک کر رہے ہیں.....!

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس' لیکن وہ اُنہیں درست کرتے اور اُن سے دولت پیدا کر رہے ہیں.......!

صفات الٰہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ ''قدیم ہیں' ازلی ہیں' قائم بالذات ہیں' اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اُٹھ جائے تو اُنہیں دیکھ لیں۔'' لیکن وہ ان کی تحقیق الفاظ سے نہیں' عمل سے کرتے ہیں' وہ انسانی وحیوانی ونباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اُٹھاتے اور قوانین الٰہیہ فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں.......!

ہمارے علوم وفنون کی حدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں' انہیں عمل سے کوئی تعلق

نہیں، تزکیۂ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمان پر اُڑے، زمین کے اندر پہنچے، پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتیٰ کہ ہماری گردنیں بھی نیچی کر دیں اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہمارے گلے میں ڈال دیا....!

یہ ہے ہماری اور یہ ہے اُن کی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ!" لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا ونخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے: اَلدُّنْيَا جَنَّةُ الْكَافِرِ وَ سِجْنُ الْمُؤْمِنِ" (دنیا کافر کی جنت اور مومن کا قید خانہ ہے) یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی وتمدن سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے: "مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ رَّجَبٍ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهٗ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّاَعْطٰى مَالَمْ يُحْصِهٖ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ نَّعِيْمِهٖ" (جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے۔ اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر زخار کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شادکام ہوا جن کا اندازہ بجز خدا کے کوئی نہیں کر سکتا!) اور کہتا ہے: "جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے۔ امت محمد ﷺ میں ہے اور امّت محمد ﷺ کے لئے ہمیشہ خوشخبری ہے!" اور کہتا ہے: "نبی ﷺ قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کریں گے، سخت سے سخت مجرم وخاطی جنت میں جا سکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جا سکتا ہے"

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں، بزدلی، سستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبت الٰہی کو زائل کرتیں، خداوندی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے

ڈال دیتی ہے'' اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے' عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا' بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں' لیکن اس پر بھی اسلام کے مدعی ہیں' اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمام تر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکل کر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

ہمارے وعظ سن کر دانا بینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت وخواری' محرومی و نامرادی' عبودیت وغلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اُس حکیم و برتر کا منشاء صرف اس قدر رہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں' غافلوں' اور غلاموں کے لئے ہے' گویا اسلام ذلت ومسکنت' لاچاری و بے چارگی' غلامی وخواری کا مجموعہ ہے!

حالانکہ اگر دیدۂ بصیرت وا ہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام' عمل ونشاط' دولت وثروت' جاہ جلال' حکومت وسلطنت کا مذہب ہے۔ اگر خدا نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل وخوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزّت وسعادت کس بنا پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی سرخروئی' دنیا کی روسیاہی کا معاوضہ ہوسکتی ہے؟ کیا آخرت اسی دنیا کا نتیجہ نہ ہو گی؟ کیا نجات وسعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت اُن روسیاہوں کو بھی مل جائے گی جن کے کیسہ میں بجز دعوئے اسلام اور فسق وفجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لُٹ رہی ہے کہ ہرکس وناکس اس پر قابض ہو جائے گا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے' ضلالت ہے۔ جنت وآخرت' اجر وثواب کا دوسرا نام ہے۔ جنت وآخرت' عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور

معاوضہ ہے : جَزَآءً وِّفَاقًا" (پوراپورا معاوضہ) اور فرمایا : وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (جو اس دنیا میں اندھا ہے' وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ) اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے' جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللّٰہ اور خدمت امت و وطن سے بٹھا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے' ضرورت ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے' بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے' جنت کی جھلک تک نہ دیکھے' کیونکہ وہ کافر ہے' مومن نہیں۔

مسلمان آنکھیں کھولیں' رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ خدا نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

ترجمہ: حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ: جو شخص بھی نیک عمل کرے گا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ہو وہ مومن' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: اے نبی ﷺ ان سے کہو کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں' اور قیامت کے روز تو خالصتہً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ: اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: اُس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا' سب کچھ اپنے پاس سے۔.اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے' اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل

دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومن کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے' علوم وفنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہے، "مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کی سی بے مہار زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگ حمیت کو جنبش ہو، عمل کی طرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوق شہادت دلوں کو بے تاب کر دے ......!

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝

مختصر تعارف: قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)

الحمدللہ رب العالمین ترجمہ قرآنِ حکیم کو دو رنگوں کے استعمال سے آسان اردو زبان میں اور اس انداز میں ترتیب دینے کا اچھوتا خیال اوّل قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) کے بانی صدر مولانا سیّد شبیر احمدؒ کے دل میں پیدا ہوا۔ قرآنی عربی کے جید عالم ہونے کے ناطے اس کام کو عملی شکل دینے کا بیڑا بھی انہوں نے خود اٹھایا۔ اگر ہم 20 سال پیچھے کے اپنے دینی کلچر پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی سوچ دبی دبی بلکہ ناپید تھی۔ اس پس منظر میں ترجمہ قرآنِ حکیم کے کام کو اس انداز میں پیش کرنا کہ لوگوں کو متوجہ بھی کرے اور تحریک بھی پیدا ہو اور یہ کہ قرآن فہمی کے ایک نئے دور کا آغاز بھی ہو۔ اس کا کریڈٹ خالصتاً قرآن آسان تحریک کے بانی اور دیگر ارکان کو جاتا ہے جنہوں نے اس کام کو ایک انقلابی تحریک کے ذریعہ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام ہمیشہ جاری رہے گا۔

قرآن مجید کے اس ترجمے کا آغاز 1988 کے اواخر میں ہوا۔ اس دوران کام کی راہیں متعین کرنے کے لئے متعدد تجربات کیے گئے اور مختلف انداز اختیار کیے گئے جس پر بہت وقت لگا اور شدید محنت کے ساتھ کثیر مصارف بھی ہوئے۔ یہ سارا کام ''رضیہ شریف ٹرسٹ'' کے تعاون سے ہوتا رہا۔ بعد ازاں تقریباً ایک سال کام معطل رہا پھر جب ''قرآن آسان تحریک'' کی رجسٹریشن عمل میں آئی تو دسمبر 1991ء سے اس کام کا دوبارہ اجراء قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) کے پلیٹ فارم سے کیا گیا۔ دسمبر 1993 سے تین جلدوں میں سورۃ فاتحہ تا سُورۃ توبہ جلد اوّل پھر سُورۃ یونس تا سُورۃ عنکبوت جلد دوئم اور سُورۃ روم تا سُورۃ الناس جلد سوئم شائع ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں پورا قرآنِ کریم ایک جلد کامل میں جس کے 1088 صفحات ہیں اور تیس علیحدہ علیحدہ پاروں کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے جس کے کل صفحات 1104 ہیں۔ ترجمہ پر نظرِ ثانی کے بعد اب نئے سوفٹ ویئر کے ذریعے نئی فلمیں اور پلیٹیں بنائی گئی ہیں، ٹائٹل اور جلد بندی خصوصیت کی حامل ہیں۔ علاوہ ازیں خوبصورت جہیز ایڈیشن آرٹ پیپر پر شائع کیا گیا ہے۔ اور اب پورا قرآن مجید 5 مختلف سائزوں (جمبو، کامل، حمائل، پاکٹ، ڈائری) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انگلش زبان میں بھی اسی انداز کا ترجمہ مرتب ہو رہا ہے انگلش میں پہلے 10 پارے اور پارہ نمبر 30 طبع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ پہلے پانچ پاروں کو ایک جلد میں Vol-1 اور (پارہ نمبر 6 تا 10) Vol-2 میں شائع ہو چکے ہیں اور نماز (Book of Salaat) بھی شائع ہو چکی ہے۔

پارہ نمبر 1 تا 5 اور پارہ نمبر 29 اور پارہ نمبر 30 "اُردو مع تلفظ و ترجمہ" شائع ہو گیا ہے۔ اب الحمدللہ پارہ نمبر 6، پارہ نمبر 7 اور پارہ نمبر 28 بھی چھپائی کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کاوش کو بہت سراہا گیا ہے۔ اس کے بارے میں قارئین کے بہت سے تعریفی خطوط موصول ہوئے ہیں۔ نیز اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو پورے پاکستان میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم اس ترجمہ کو پہنچانا ہمارے مقاصد کا حصہ ہے۔

بنیادی پالیسی

''قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)'' کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ قرآن و سنّت کی خالص تعلیمات کو عام کیا جائے اور رسمی سیاست اور فرقہ بندی سے علیحدہ رہتے ہوئے قرآن کی خدمت کی جائے، تحریک اپنی مطبوعات غیر تاجرانہ انداز میں لوگوں کو فراہم کرے اور کسی بھی قسم کا منافع اور افراد کا مالی تعاون صرف ''قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)'' کے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے تحریک کے تمام کام اسلام کے معروف طریقہ کے مطابق ہونگے۔

مختصر اغراض ومقاصد

1۔ قرآن حکیم سے مسلمان کا ٹوٹا ہوا رابطہ جوڑنے کی غرض سے امتِ مسلمہ کا یہ مغالطہ دور کرنے کی جدوجہد کرنا کہ قرآن بہت مشکل ہے، اس کا سمجھنا صرف علما کا کام ہے اور ایک عام مسلمان کے لئے سمجھے بغیر محض اس کی تلاوت کر کے ثواب حاصل کر لینا کافی ہے۔

2۔ مسلمان کو اس بڑی حقیقت سے باخبر کرنا کہ قرآن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور اس مقصد کے لئے اُسی نے اسے آسان کر دیا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (القمر: 17) اور یقیناً آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں　　　اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار (اقبال)

3۔ عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے ایک عام مسلمان قرآن سے براہ راست فہم مطالب پر قدرت نہیں رکھتا اور اردو زبان میں جو ترجمے موجود ہیں ان کو پڑھتے وقت ایک عام پڑھنے والا یہ تعین کرنے سے قاصر رہتا ہے کہ ترجمے میں عربی کے کس لفظ کے معنی کیا ہیں؟ اور جو مفہوم ادا ہوا ہے وہ کن الفاظ کا ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ ان ترجموں کو مسلسل پڑھتے رہنے کے باوجود قرآن کا طالب علم کبھی اس قابل نہیں ہو پاتا کہ وہ براہ راست قرآن کے الفاظ سے مفہوم ومعنی سمجھ سکے اور مدت العمر اس کے اور قرآن کے درمیان ترجمہ کا پردہ حائل رہتا ہے، لہٰذا اس ادارہ نے ایک ایسا ترجمہ مرتب کیا ہے جس میں اردو الفاظ کی ترتیب وہی ہے جو قرآن مجید میں عربی الفاظ کی ہے اور متن وترجمہ الفاظ اور ان کے معانی کے حتمی تعین کے لیے عربی متن اور اردو ترجمہ دونوں کو دو مختلف رنگوں میں اس طرح چھاپا گیا ہے کہ عربی کا لفظ جس رنگ میں ہے اس کا ترجمہ بھی اسی رنگ میں ہے تاکہ پڑھتے وقت بغیر کسی دقت کے یہ معلوم ہو جائے کہ عربی کے کس لفظ کے اردو میں کیا معنی ہیں اور پڑھنے والے میں بتدریج قرآنی عربی جاننے اور قرآن سے براہ راست مفہوم سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

4۔ قومی اور ملکی سطح پر یہ کوشش کرنا کہ قرآن حکیم کا جو نسخہ مسلمانوں تک پہنچے وہ معیاری، باترجمہ اور غلطیوں سے پاک ہو۔

5۔ قرآن حکیم کے پیغام کو تعلیمی اداروں مساجد اور ویب سائیٹ کے ذریعے عام کرنا:

6۔ قرآن حکیم کی طباعت واشاعت اور تقسیم کا وسیع پیمانے پر انتظام کرنا اور اس کو دنیاوی تجارت اور منافع اندوزی کے چکر سے نکال کر خالص نجات اخروی کا ذریعہ بنانا تاکہ ہر مسلمان کے لیے قرآن حکیم کا حصول بغیر کسی مالی بوجھ کے ممکن ہو سکے۔

7۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے قرآن حکیم کا ترجمہ دنیا کی معروف زبانوں میں عام فہم انداز میں کرنا اور بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کرنا۔

8۔ ہم خیال افراد اور غیر سیاسی تنظیموں سے جن کے اغراض ومقاصد تحریک کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں ان کے کاموں میں تعاون کرنا۔

اگر آپ ان مقاصد سے متفق ہیں تو تحریک کے ساتھ مندرجہ ذیل طریقہ سے تعاون کیجئے

(الف) تحریک کی رکنیت مبلغ پانچ صد روپے سالانہ اور تاحیات ممبر شپ مبلغ دس ہزار روپے ہے۔

(ب) زرِ تعاون حسب توفیق۔

(ج) مطبوعات کتب خود خریدیں اور خرید کر تقسیم کریں۔

"قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)" ایک ایسی شوریٰ کے ہاتھ میں ہے جو اپنی مطبوعات غیر تاجرانہ انداز سے تقریباً لاگت پر فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ صرف شدید دینی ضرورت ہے، بلکہ اس میں کام آنے والا ہر پیسہ اور ہر کوشش ایک صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب تک تحریک کے 5000 سے زائد رکن بن چکے ہیں۔ جس میں 375 سے زائد لائف ممبر اور معاونین اس کے علاوہ ہیں۔ مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد 13 ہے۔ تحریک کے حسابات باقاعدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آڈٹ کروائے جاتے ہیں۔ قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ) کی آمدن اور اس کو دیئے جانے والے عطیات بھی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔